

## مولانا طارق جمیل صاحب کی بے اعتدالیاں اور ان کا جواب

کچھ مولانا مفتی عبدالواحد

بسم اللہ حامداً و مصلیاً!

حضرت مولانا مفتی یحییٰ خان صاحب مدظلہ اور ان کے ساتھیوں کی جانب سے مولانا طارق جمیل صاحب کی کچھ تقریروں کی نقل موصول ہوئی۔ اس پر انہوں نے ہماری رائے بھی مانگی ہے۔ ہمارے ساتھیوں نے C.D پر اصل تقریر کو تحریر سے ملایا تو مطابق پایا۔ اس پر ہم نے جدید و جدید امور میں مولوی طارق جمیل صاحب کی غلطیوں کی نشاندہی کی ہے اور ساتھ میں حق بات کو بھی بیان کیا ہے۔

مولانا الیاس کے چائے ہوئے کام کو ہم اپنا کام سمجھتے ہیں لیکن مولوی طارق جمیل صاحب کی علمی و عملی بے اعتدالیاں بڑھتی ہی جا رہی ہیں۔ اس طرح کے نادان دوستوں کی وجہ سے تبلیغ کے کام پر برا اثر پڑنے کا اندیشہ ہو گیا ہے۔

اس لئے اگرچہ ذہن میں کچھ لکھنے کا پہلے سے پروگرام تھا لیکن اب جب کہ ایک سنجیدہ حلقہ کی طرف سے مولوی طارق جمیل صاحب کے فرمودات کی نقل بھیجی گئی تو بنام خدا السیدین النصیحة اور امر بما لمعروف و نہی عن المنکر کے تحت مولوی طارق جمیل صاحب کی بے اعتدالیاں کو نکولا ہے۔

تبلیغ کے ذمہ دار حضرات سے استدعا ہے کہ وہ خود بھی اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں، سنجیدہ و محتاط طرز عمل اختیار کریں اور مولوی طارق جمیل جیسے جو شیلے لیکن غیر محتاط حضرات کو بے اعتدالوں سے روکیں ورنہ یہ کام کو بھی اور کام کے ذمہ داروں کو بھی نقصان پہنچائیں گے۔

وما علینا الا البلاغ۔

13 جمادی الاولیٰ 1429ھ

## تیسری بحث: مولوی طارق جمیل صاحب اور جہاد

مولوی طارق جمیل صاحب کہتے ہیں:

پچھلی صدی میں جتنی بھی تحریکیں انھیں یا اہل خلیفہ اس میں مخلص بھی تھے۔۔۔۔۔ وہ سب کے سب قوت کے زمانے کے واقعات کو دلیل بنا کر کمرانے کے لئے چل پڑے۔ 1857ء کی جنگ آزادی میں شامی میں مشورہ ہوا تو سب کی رائے تھی کہ قتال کرنا ہے۔ ایک بڑے عالم تھے ان کا نام ہے شیخ محمد۔ وہ کہنے لگے کہ ہم کمزور ہیں اور اس کمزوری میں یہ حکم نہیں ہے۔ تو حضرت نافو قوی نے کہا کہ کیا ہم بدر سے بھی زیادہ کمزور ہیں؟ تو اس پر وہ خاموش ہو گئے چپ ہو گئے پھر شامی میں جنگ ہوئی۔ اس میں حافظ مناس صاحب شہید ہوئے۔۔۔ اور حضرت گنگوہی زخمی ہوئے۔ پھر یہ سارے حضرات مغرور ہو گئے اور جو مولانا حاجی امداد اللہ صاحب تھے وہ ہجرت کر کے مکہ چلے گئے چھپتے چھپاتے چھپتے چھپاتے۔۔۔ پھر انہوں نے وہی کیا جو مولانا شیخ محمد کہہ رہے تھے پیچھے ہٹ گئے پھر مد سے پراگئے۔ قوت کے واقعات کو سامنے رکھ کر۔۔۔ اور ان واقعات سے استدلال بکڑ کر کام کرتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مخلصین کی طاقتیں گنتی رہیں شہید بھی ہوئے، قید بھی ہوئے لیکن جس مقصد کے لئے اٹھے تھے اس مقصد تک نہ پہنچ سکے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مولانا الیاس رحمہ اللہ کو الہامی طور پر یہ چیز دی گئی۔ اللہ کی طرف سے الہامی طور پر یہ بات سامنے آئی (کہ) ہم کمزور ہیں اور کمزور کے احکام اور ہوتے ہیں۔ تو حدیبیہ میں اس کی دلیل ہے کہ پیچھے ہٹ جاؤ اور صبر کر جاؤ۔ جب کفار آ کر ارض المسلم قریبہ کر لیں ایک شہر پر۔۔۔ لکھا ہوا ہے لٹیک لکھا ہوا ہے۔۔۔ ایک شہر پر بھی قبضہ کر لیں تو تمام امت پر جہاد فرض عین ہو جاتا ہے۔ لیکن فرض عین ہوتا ہے استعداد کے ساتھ۔ استعداد نہیں تو ساقط ہو جاتا ہے۔۔۔ تو افغانستان کی مثال دیتے ہیں آج کہ افغانستان پر قبضہ ہو گیا عراق پر قبضہ ہو گیا عراق پر قبضہ ہو گیا ساری امت پر فرض عین ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں لیکن یہ فرض عین اپنی شرط کے ساتھ ہے۔ فرض عین ہے تو ساتھ استعداد بھی ہو، استعداد نہیں تو پھر صبر کرنا پڑے گا۔۔۔ عزالدین بن عبدالسلامؒ نے کہا ہے۔ تو اعداء الاحکام فی مصالح الامام۔ تو وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر اعدائے کلمۃ اللہ کا حق نہ ہو رہا ہو تو قتال ویسے ہی راقط ہے صرف شہادت مطلوب نہیں ہے مطلوب کسی غرض کے ساتھ ہے۔ "ایوین نہیں (یعنی فضول) کا، آزادینے کا قہم (نہیں ہے)۔"

ہم کہتے ہیں:

مولوی طارق جمیل صاحب نے اس مقام پر بھی کئی غلطیاں کی ہیں:

1- اگر جنگ شامی میں شیخ محمد قحطانیؒ کا وہی اعتراض مان لیا جائے جو مولوی طارق جمیل نے لکھا ہے تب بھی مولانا قحطانیؒ کے جواب پر غور کرنے کی ضرورت ہے اور یہ بات بھی غور کا لائق ہے کہ مولانا گنگوہیؒ بھی جنگ میں شریک ہوئے اور زخمی بھی ہوئے۔ معلوم ہو کہ جہاد کی استعداد ہے یا نہیں یہ ایک امر اجتہادی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی کی نظر میں استعداد موجود ہو اور دوسری کی نظر میں نہ ہو..... شیخ محمد کی نظر میں استعداد موجود نہ تھی جب کہ مولانا قحطانیؒ اور مولانا گنگوہیؒ کی نظروں میں موجود تھی اور ہر ایک نے اپنے اجتہاد پر عمل کیا۔ توافقی کی جنگ میں ہار خراگست کے بعد جب وہ استعداد بھی باقی نہ رہی تو مولانا قحطانیؒ اور مولانا گنگوہیؒ نے براہ راست تصادم کی راہ چھوڑ دی اور مدرسہ کی طرف اختیار کیا۔

2- مولوی طارق جمیل صاحب نے جہاد کے فرض میں ہونے والی بات کو ذکر کیا ہے فرض کفایہ ہونے کا کچھ ذکر نہیں کیا۔ بظاہر یہ ہے کہ مولوی طارق جمیل صاحب کے نزدیک استعداد نہ ہونے پر نہ تو جہاد فرض نہیں ہے اور نہ فرض کفایہ ہے۔ اور عز بن عبد السلامؒ کے قول سے مولوی صاحب نے یہ نتیجہ نکالا کہ جہاد کے نام سے جو کوششیں بیرونی ہیں چونکہ ان سے اعلیٰ کلمۃ اللہ کا تحقق نہیں ہو رہا اور جہاد کی غرض پوری نہیں ہو رہی اس لئے جہاد و قتال ماقاب ہے اور چونکہ غرض حاصل ہونے کے آثار بھی موجود نہیں ہیں کیونکہ اتنی طاقت نہیں ہے اس لیے جو لوگ جہاد کے نام پر اپنی جانیں دے رہے ہیں وہ فضول میں دے رہے ہیں کیونکہ غرض کے بغیر شہادت ظاہر شرعی نہیں بنتی۔

مولوی طارق جمیل صاحب کے ذکر کردہ فلسفہ کو مان لیا جائے تو موجودہ دور میں پوری دنیا کے مسلمانوں کے پاس جہاد و قتال کرنے کی طاقت و استعداد تو ہے نہیں۔ لہذا ان کو جہاد نہیں کرنا چاہیے اور موجودہ دور جہاد و قتال سے خالی رہتا چاہیے جب کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:-

لا تزال طائفة من امتی یقاتلون علی الحق ظاہرین الی یوم القیامۃ. (بخاری و مسلم)

یہ نئی امت کا ایک حصہ حق کی خاطر لڑتا رہے گا قیامت کے دن تک ظاہر (دو یا ہر اور غالب) رہے گا (نبی اکرمؐ) جہاد کے دعووں کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا اور ختم نہیں ہو جائے اور ختم نہ ہو گا۔

یہ بتانا کہ حدیث میں ایک خبر ہے جس کے مطابق بظاہر استعداد نہ ہونے کی حالت میں یعنی موجودہ دور میں اگر یہ حق پرستی کا حال ہے تو یہ حق کے لئے جانیں دے

وہ ہے جس کے اگرچہ مقصد حاصل نہ ہو۔ اور اگر اس حدیث کو انشاء کے معنی میں بھی نہیں تب بھی اس کا تقاضا یہی ہے کہ ہر دور میں جہاد ہوتا رہے۔ لیکن مولوی طارق جمیل صاحب کو ان سب حقائق سے کیا غرض ہے ان کے فتوے کی رو سے تو یہ سب لوگ فضیل جانیں دے رہے ہیں اور جہاد کا نام بدنام کر رہے ہیں۔

3۔ مولوی طارق جمیل صاحب کی یہ بات ان پر عزیمت حضرات پر طعنہ زنی ہے جو عراق، افغانستان اور فلسطین میں مقاومت و جہاد اختیار کئے ہوئے ہیں اور جانی و مالی قربانیاں دے رہے ہیں۔ وہ خود قربانیاں دے رہے ہیں اور کافروں کی اتحادی قوتوں کو چین نہیں لینے دے رہے۔ وہ مولوی طارق جمیل صاحب پر جہاد میں تشکیل کرانے پر تو زور نہیں دے رہے پھر مجاہدوں صاحب کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی جماعت کی بالیدوں سے تجاوز کر کے دوسروں کو تنقید کا نشانہ بنائیں۔

یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے جہاں اسی وقت ہے جب منہر تک پہنچنا نصیب بھی ہو۔ یہ بالکل غلط بات ہے کیونکہ مقصد کو حاصل کر لیتا تو انسان کے اختیار کی چیز نہیں ہے۔ انسان کا کام ہے تبلیغ کرنا اور جہاد کرنا۔ ہر مقصد کا حصول تو وہ اللہ کی ہنگام سے ہوتا ہے۔

5. سابقہ ملازمت کی اجازت حاصل کیے ہیں۔

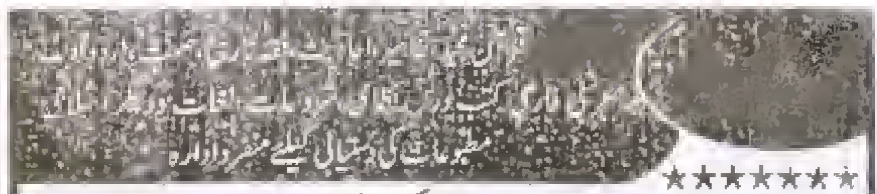
”اُنہی کی طرف سے“ ایسی طور پر یہ بات سامنے آئی۔ ہم کمزور ہیں کمزور کے احکام اور جوتے ہیں۔  
 جد جیسے میں اس کی دلیل سے کہ پیچھے ہٹ جاؤ صبر کر جاؤ۔“

معاویہ طلاقِ جمل صاحبِ حلاوت خوب کرتے ہیں۔ بھلا بتائیے کہ جو مسلمان بدرواد اور جنگِ افراب میں قریش سے دو دو ہاتھ کر چکے تھے اور جنگِ افراب میں رسول اللہ ﷺ یہ فرما چکے تھے کہ اسے آئندہ ہم کفار پر چڑھائی کریں گے وہ ہم پر چڑھ کر نہ آسکیں گے تو کیا وہ مسلمان کمزور تھے؟ اور حسبِ یہ خبر مشہور ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ قتل کر دیے گئے تھے اور اس وقت رسول اللہ ﷺ نے اس خیال سے کہ سارے لڑائی کا موتا تھا باقی رہ گیا ہے ایک رخت کے شہید کر دیا کی وجہ لی۔ حسبِ قریش نے بیت کی بُرائی تو ذرا سکتے اور حضرت عثمانؓ کو دلچسپ کر دیا۔ لہذا یہ تو گناہِ لوگ کمزور نے اور لڑائی کی استعداد نہ کہتے تھے۔ پھر کہ جس سردار خود صلح کے لئے حاضر نہ ہو کر کیا صلح کے لئے کوئی کسی کمزور کے پاس بھی جاتا ہے؟ مزید برآں حدیبیہ کی صلح، طاغوت و غلویت کی صلح، قرأتی ہے اور صلح کی شرائط پڑھ کر باہر انصرام ہی اسوں ہوتا ہے کہ تمام جنگزوں کا فیصلہ کفار قریش کے ہوا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی

ظاہری صلح دیکھ کر سخت محزون و مضطرب تھے۔ وہ خیال کرتے تھے کہ اسلام کے چودہ پندرہ سو سرفروش سپاہیوں کے سامنے قریش اور ان کے طرفداروں کی جمعیت کیا چیز ہے کیوں تمام نزاعات کا فیصلہ تلوار سے نہیں کر دیا جاتا (تفسیر عثمانی) کیا ان حضرات کا اضطراب محض ہوائی جوش تھا اور ان کو اپنی استعداد کا اندازہ کرنے میں غلطی لگ رہی تھی؟ مولوی طارق جمیل صاحب کو چاہئے کہ ہوش کے ناخن لیں۔

حدیبیہ کی سُن تو اس وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے قبول کی کہ آپ کی آنکھیں ان احوال و نتائج کو دیکھ رہی تھیں۔ جو دوسروں کی نگاہوں سے اوجھل تھے۔ .... آپ بے مثال استغناء اور توکل و تحمل کے ساتھ ان کی ہر شرط قبول فرماتے رہے اور اپنے اصحاب کو اللہ و رسول اکرم کے ترسیل دیتے رہے یعنی اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے تاکہ یہ سورت نازل ہوئی اور خداوند قدس نے اس صلح اور فیصلہ کا نام فتح مبین رکھا۔ . حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کی بیعت جہاد اور معمولی جینئر چھانڈ کے بعد کٹار معاندین کا مرغوب ہو کر صلح کی طرف جھکا اور نبی کریم ﷺ کا باوجود جنگ اور انتقام پر کافی قدرت رکھنے کے ہر موقع پر اغماض اور درگزر کرنے کا کام لینا اور محض تعظیم بیت اللہ کی خاطر ان کے بے بودہ مطالبات پر قضا برافروختہ نہ ہونا یہ واقعات ایک طرف اللہ کی خصوصی مدد و رحمت کے استحباب کا ذریعہ بنتے تھے اور دوسری جانب دشمنوں کے قلوب پر اسلام کی اخلاقی اور روحانی طاقت اور پیغمبر علیہ السلام کی شان پیغمبری کا سکھ بکھار رہے تھے۔ (تفسیر عثمانی)۔

کہاں صلح حدیبیہ کی یہ وجوہات اور کہاں مولوی طارق جمیل صاحب کی کوتاہ چشمی فیالجب۔ (جاری)



ہمارے ہاں پاکستان بھر کے 150 سے زائد اداروں کی مکمل وراثی دستیاب ہے  
بیشتر کتب پر خرچہ بھی نہیں لیا جاتا۔ لاگت پر دی جاتی ہیں۔ تحائف میں احباب کو اچھی  
کتاب پیش کریں۔ یہ صدقہ جاریہ ہے۔

## مولانا طارق جمیل صاحب کی بے اعتدالیاں اور ان کا جواب

لکھنے والا: ڈاکٹر مفتی عبدالواحد \*

چوتھی بحث

مولوی طارق جمیل صاحب اور دعوت و تبلیغ کی شرعی حیثیت

مولوی طارق جمیل صاحب کہتے ہیں۔

”ایک اور نسبت ہمیں اپنے محبوب ﷺ سے وہ ختم نبوت کی ہے.....

تبلیغ کا کام ہمیں لانی بعدی سے مل رہا ہے.....

تبلیغ کا کام مٹی کی وادی سے آیا ہے.....

اس کام کے لئے پہلے نبیوں کو چنا، اب ہمیں چنا۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار کا مجمع ہے مٹی کی

وادی ہے..... جس کے خلیفے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا فلیبلغ الشاهد الغائب

شاہد غائب تک پہنچا دیں۔ آپ ﷺ کہتے میرا پیغام عالم غائب تک پہنچا دیں تو تبلیغ پھر

صرف علماء کا کام ہے..... اگر اللہ تعالیٰ کا رسول کہتا فلیبلغ العامل النساب (عمل کرنے

والے تبلیغ کریں)..... تو..... کوئی بڑے بڑے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ جیسے اور مجدد الف ثانی

جیسے..... اور معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ جیسے اور علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ جیسے فرید الدین

رحمۃ اللہ علیہ جیسے ایسے اللہ کے نیک پاک لوگ تبلیغ کرتے اور ہماری چٹھی ہوتی لیکن اللہ کے

نبی ﷺ نے نہ تو یہ کہا کہ فلیبلغ العالم نہ یہ کہا کہ فلیبلغ العامل۔

اللہ کے نبی ﷺ نے کہا فلیبلغ الشاهد الغائب۔ شاہد کا کیا مطلب ہے میں نے لسان

العرب دیکھی..... اس دن پڑھ کے یہ بات سمجھ میں آئی کہ اللہ کے نبی ﷺ نے شاہد کہوں کہا

ہے کہ لفظ شاہد اپنے معنی میں اتنا وسیع ہے کہ اس لفظ نے امت کے کسی فرد کو کسی طبقہ کو اور کسی

خطے میں رہنے والے کو نہیں چھوڑا۔ امت کے تمام افراد اور تمام طبقات تمام قوموں والے تمام زبانوں والوں کو اس لفظ نے باندھ دیا کہ امت کا ہر مسلمان مرد و عورت وہ اللہ کا پیغام آگے پہنچانے والا ہے۔“ (بیانات جیل ج ۱ ص ۱۱۸-۱۲۰)

اسی بات کو مولانا حمید صاحب نے اپنی ایک تحریر میں یوں لکھا ہے۔

”حدیث من دای منکم منکوا فلیغیرہ بیدء (جو کوئی تم میں سے کوئی برائی ہوتے دیکھے تو اس کو اپنی قوت بازو سے روک دے) میں امت کا ہر فرد مخاطب ہے کسی قسم کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ اسی طرح منکر مع الیمین بھی عام ہے کوئی بھی منکر ہو ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے اور وہ اس کے تغیر میں لگنے کا مسووم ہے اور اپنی قوت بازو سے اس کے بدلنے کا مکلف ہے۔ اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو پھر اس سے کمتر درجہ زبان سے کہنے کا اور اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے برا سمجھنے کا ہے۔ اسی طریقہ پر بلغوا عنی ولو آباء میں ہر ہر امتی اس تبلیغ کا مکلف ہے آپ ﷺ نے صراحت کے ساتھ اپنی ذمہ داری بطور امانت امت کی طرف منتقل فرمائی اور ہر ہر امتی کو مکلف فرمادیا۔“

ہم کہتے ہیں کہ ان حضرات کا کلام دو باتوں پر مشتمل ہے۔

- 1- امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور دعوت و تبلیغ کے کام کا ہر ہر امتی مکلف ہے خواہ مرد ہو یا عورت ہو۔
  - 2- امت کے افراد کی یہ ذمہ داری ختم نبوت کی بناء پر ہے۔ دوسرے لفظوں میں ختم نبوت کی بناء پر یہ امت نیابت نبوت کے لئے مبعوث ہوئی ہے۔ اور منتخب کی گئی ہے۔
- ان دونوں باتوں پر گفتگو کرنے سے بیشتر مناسب ہو گا کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور دعوت و تبلیغ کی حقیقت کو واضح کر دیا جائے۔ لیکن مندرجہ ذیل تنبیہ کو پیش نظر رکھئے۔

تنبیہ: ہم سمجھتے ہیں کہ دعوت و تبلیغ ہماری ضرورت ہے، پوری انسانیت کی ضرورت ہے اور ہمارے دین کا اہم شعبہ ہے اس لئے دعوت و تبلیغ کا کام چلتے رہنا چاہئے اس کی شرعی حیثیت کی بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں تھی لیکن اس بحث کو خود مولوی طارق جمیل صاحب اور رائے ونڈ کے دوسرے حضرات نے چھیڑا ہے۔ ہم نے ان حضرات کے غلو کرنے کی وجہ سے بادل ناخواستہ اس بحث میں حصہ لیا ہے۔

## امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی حقیقت

دین میں جن کاموں کے کرنے کو کہا گیا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ہیں ان کو معروف یعنی نیکی کہا جاتا ہے اور جو کام ایسے ہیں جن کا کرنا دین میں منع ہے ان کو منکر یعنی برائی کہا جاتا ہے۔ معروف میں فرائض، واجبات، سنن اور مستحبات سب داخل ہیں اور منکر میں حرام اور مکروہ سب داخل ہیں۔

کسی دوسرے کو نیکی کے کام کی تلقین کرنے کو امر بالمعروف کہتے ہیں اور دوسرے کو برائی کے کام سے روکنے کو نہی عن المنکر کہتے ہیں۔

جب کوئی شخص کسی منکر اور برائی کو بوتا دیکھے تو اس پر لازم اور فرض ہے کہ وہ اس کو اولاً (زبان سے روکے اور نہ مانے تو) اپنی قوت بازو سے روک دے مثلاً کسی کو شراب پیتے دیکھا تو اس سے شراب چھین کر بہا دے کسی کو موسیقی سنتے دیکھا تو موسیقی کے آلات توڑ دے۔ اسی طرح اور برائیوں کو ان کے طریقے سے روک دے۔ حکمران اور اصحاب اختیار اپنی رعایا اور اپنے ماتحتوں کو اور والد اپنی اولاد کو اپنی قوت بازو سے برائیوں سے روک سکتے ہیں۔

اگر برائی کرنے والا مثلاً زیادہ قوی ہو اور دیکھنے والا اپنی قوت بازو سے برائی سے اس کو نہ روک سکتا ہو تو اپنے قول سے یعنی اس کو وعظ و نصیحت کر کے اور اس کو اس گناہ پر وعید سنا کر اس برائی اور گناہ سے روکنے کی کوشش کرے اور اگر اتنی بھی قدرت نہ ہو اور یہ ڈر ہو کہ زبان سے منع کرنے پر بھی برائی والا اس کو شدید نقصان یا تکلیف پہنچائے گا تو کم از کم دل میں برا سمجھے۔

اسی طرح اگر کسی شخص نے دوسرے کو فرائض و واجبات ترک کرتے دیکھا تو اس پر لازم ہے کہ ترک کرنے والے کو امر بالمعروف یعنی نیکی کی تلقین کرے۔ یہ فریضہ بھی ہر شخص کی قدرت و طاقت کے مطابق ہو گا مثلاً کوئی شخص فرض نماز ترک کرتا ہے تو اصحاب حکومت و اختیار اس کو قید کر سکتے ہیں اور دیگر اصحاب اختیار بھی اپنے ماتحتوں کو مجبور کر سکتے ہیں۔ اگر کوئی مجبور نہیں کر سکتا اور اس کو نصیحت کر سکتا ہے تو نصیحت ہی کرے اور اگر اس کی بھی قدرت نہ ہو تو اس کی نیکی کے ترک کو دل سے برا سمجھے۔

## امر بالمعروف اور دعوت و تبلیغ میں فرق

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تعلق فوری عمل سے ہوتا ہے یعنی کسی کو فرض نماز چھوڑتے دیکھا تو



امر بالمعروف یہ ہے کہ کوشش کی جائے کہ وہ اس وقت کی نماز پڑھے اور شراب پیتے دیکھا تو نبی عن  
 المنکر یہ ہے کہ کوشش کی جائے کہ وہ اسی وقت شراب چھوڑ دے اور مزید نہ پئے۔ آئندہ کسی وقت توبہ  
 کرنے کے لئے جو عطا و نصیحت کی جائے اس کو دعوت و تبلیغ کہتے ہیں۔

فوری عمل اور فوری اثر کے لئے جو اقدام کیا جائے وہ حقیقت میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر  
 کہلاتا ہے۔ لیکن کبھی دعوت و تبلیغ کو بھی قرآن و حدیث میں مجازاً امر بالمعروف و نہی عن المنکر کہا گیا ہے  
 جیسا کہ آگے مثال میں ذکر ہو گا۔

### دعوت و تبلیغ کی حقیقت

امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے ہمت کر ایک اور شعبہ دعوت الی الخیر یعنی قرآن و سنت کی اتباع کی  
 دعوت دینے کا ہے۔ یہ دعوت کافروں کو بھی ہے اور مسلمانوں کو بھی ہے۔ مسلمانوں کو دین کے عقائد اور  
 احکام و اخلاق کی دعوت ہے اور کافروں کو اسلام و ایمان کی دعوت ہے۔

اس کے لئے ضروری ہے کہ مسلمانوں میں ایک تعداد ایسے لوگوں کی ہو جو دعوت و ارشاد کے کام  
 کے لئے ہو اور اس کا وظیفہ ہی یہ ہو وہ اپنے قول و عمل سے دنیا کو قرآن و سنت کی طرف بلائیں اور جب  
 لوگوں کو اچھے کاموں میں ست یا برائی میں ہٹا دیکھیں تو اس وقت بھلائی کی طرف متوجہ کرنے اور برائی  
 سے روکنے میں اپنی قدرت کے موافق کوتاہی نہ کریں۔ ظاہر ہے کہ یہ کام وہی لوگ کر سکتے ہیں جو  
 معروف و منکر کا علم رکھنے اور قرآن و سنت سے باخبر ہونے کے ساتھ ساتھ مذہبی ہوش اور موقع شناس ہوں  
 اور یہ وہی ہو سکتے ہیں جو علماء حق ہوں شیخ سنت ہوں، شرک و بدعت سے دور ہوں اور دین کے اصول و  
 فروع سے کما حقہ باخبر ہوں اور نفس کی شرارتوں سے بچتے ہوں۔ ورنہ بہت ممکن ہے کہ ایک جاہل آدمی  
 معروف کو منکر یا منکر کو معروف خیال کر کے بجائے اصلاح کے سارا نظام ہی مختل کر دے یا ایک منکر کی  
 اصلاح کا ایسا طریقہ اختیار کرے جو اس سے بھی زیادہ منکرات کا سبب بن جائے یا نری کی جگہ نخی اور نخی  
 کے موقع میں نری برتنے لگے۔ (تفسیر صفحہ 81)

### امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور دعوت و تبلیغ کا دائرہ کار

امر بالمعروف و نہی عن المنکر جب کہ ان کا حقیقی معنی مراد ہوں ان کا دائرہ دعوت و تبلیغ سے زیادہ وسیع  
 ہے۔ عام فرائض و واجبات اور عام ممنوعات جن سے عام طور سے تمام مسلمان واقف ہوتے ہیں، عوام

بھی از خود ان کی تلقین کر سکتے ہیں۔ دُعوت و تبلیغ اصلاً اہل علم کا کام ہے البتہ وہ عوام کو ضروری تعلیم و تربیت دے کر ان سے بھی دعوت و تبلیغ کا کام لے سکتے ہیں۔

## 1۔ دعوت تبلیغ کی شرعی حیثیت

قرآن پاک میں ہے۔

وَلَنْكُنْ بِكُمْ أُمَّةً يَدْخُلُونَ إِلَى الْغَيْبِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔

(آل عمران: 104)

”اور چاہیے کہ رہے تم میں ایک جماعت ایسی جو باطنی رہے نیک کام کی طرف اور حکم کرتی رہے اچھے کاموں کا اور منع کرے برائی سے۔“

اس آیت میں واضح طور سے فرمایا کہ دعوت کا کام مسلمانوں کی ایک جماعت کے ذمہ ہے اور اس جماعت سے مراد وہ حضرات ہیں جن کو قرآن و سنت کا پختہ علم حاصل ہو ہر شخص کا یہ کام نہیں۔ ایک حدیث یہ ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَصَامَ رَمَضَانَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللَّهِ أَنْ يَدْخُلَهُ الْجَنَّةَ جَاهِدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ جَلَسَ فِي أَرْضِهِ النَّاسِ وَلَدَ لَهَا۔ (بخاری)۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھا اور نماز قائم کی اور رمضان کے روزے رکھے تو اللہ پر حق ہے کہ اس کو جنت میں داخل کرے خواہ اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہو یا وہ اپنی اسی جگہ پر ٹکا رہا ہو جہاں وہ پیدا ہوا۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ جہاد ہو یا دعوت کا کام ہو ہر ہر امتی پر یہ فرض نہیں ہے کیونکہ جب وہ اپنی بستی ہی میں پیشابا تو اس نے دوسروں تک دین پہنچانے کی فکر بھی نہیں کی۔ اگر یہ اس پر بھی فرض ہوتا جیسا کہ نماز روزہ ہر امتی پر فرض ہیں تو اس کے نہ کرنے پر گرفت کا اندیشہ ہونا چاہئے تھا۔

ایک اور آیت ہے۔

قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَى تَصَدُّقٍ أَنَا وَمَنْ أَتَّبِعِينَ۔

”آپ کہہ دیجئے یہ میری راہ ہے۔ بلا تا ہوں اللہ کی طرف سمجھ بوجھ کر میں اور جس نے

میری پیروی کی۔“

اس آیت کا یہ مطلب لیا جائے کہ جو میری پیروی کرنے والے ہیں وہ بھی (اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیجئے ہیں) تو اس سے بھی ہر ہر امتی کا مکلف ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ یہ ایک خبر ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے پکے پیروکار دعوت کا کام کرتے ہیں۔ اور اگر یہ مطلب لیں کہ آپ کا ہر ہر پیروکار دعوت کا کام کرتا ہے تو یہ خبر خلاف واقعہ ظہرتی ہے کیونکہ مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد دعوت کا کام نہیں کرتی حالانکہ قرآن کی خبر تو غلط نہیں ہو سکتی لہذا یہ ماننا پڑے گا کہ یہاں خاص قسم کے پیروکار مراد ہیں جو قرآن و سنت کا وافر علم رکھتے ہیں اور ان کو بصیرت بھی حاصل ہے۔ ہر ہر مسلمان مراد نہیں ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

چونکہ اس آیت میں امت مسلمہ سے خطاب ہے اور بتایا گیا کہ وہ لوگوں کے نفع کے لئے نکالی گئی ہے تو یہاں الناس سے وہ لوگ مراد ہیں جو ابھی تک ملت کفر میں ہیں اور یہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے ایمانیات کو اختیار کرنے اور کفریات کو ترک کرنے کی تلقین مراد ہے۔ غرض یہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے مراد دعوت و تبلیغ ہے۔

اس آیت میں بھی امت مسلمہ مجموعی طور پر مراد ہے اس کا ہر ہر فرد مراد نہیں ہے کیونکہ یہاں خیر امت ہو۔ نہ کی خبر دی گئی ہے اگر ہر ہر فرد کے خیر اور بہترین ہونے کا مطلب لیں تو مشاہدہ اس کے خلاف ہے اور چونکہ قرآن کی خبر تو غلط نہیں ہو سکتی۔ لہذا امت کو بحیثیت مجموعی مراد لینا ضروری ہوگا۔

حدیث میں ہے بلغوا عني ولو آبه (میری طرف سے پہنچاؤ اگرچہ ایک ہی آیت ہو)۔

اوپر ذکر کئے گئے قرآن و حدیث کے دلائل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ دعوت و تبلیغ کا کام امت کے ہر ہر فرد کے ذمہ نہیں ہے لہذا ان کے ساتھ مطابقت رکھتے ہوئے اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اہل علم کے ذمہ ہے کہ وہ تبلیغ کریں۔

حدیث فلیبلغ الشاهد الغائب کا مطلب ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر جو لوگ موجود ہیں وہ غیر موجود لوگوں تک رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کو پہنچادیں۔ ایسے خطاب میں بھی اہل علم اور اہل فہم مراد ہوتے ہیں ہر ہر شخص مراد نہیں ہوتا کیونکہ اگر الشاہد میں لام تعریف سے استیعاب مراد لیں تو اول تو صرف حجۃ الوداع کے حاضرین مراد ہوں گے پورے عالم کے مسلمان مراد نہیں ہوں گے۔ دوسرے الغائب

## پہلی بحث: عصمت یا حفاظت صحابہؓ

مولوی طارق جمیل صاحب کہتے ہیں:

”اگر آپ ﷺ (خلیفہ) متعین کرتے اور پھر اس پر کوئی انکار کرتا تو یہ ہلاک ہو جاتا۔ اور دوسری بات بھی تھی کہ آپ ﷺ متعین کرتے اور اس میں کوئی کمی ہوتی اور ہوتی تھی۔ چونکہ اب یہ دنیا کی تاریخ میں پہلی دفعہ ہونے لگا ہے کہ معصوم کی جگہ غیر معصوم بیٹھے گا تو غیر معصوم ہے ہی اس لئے کہ اس نے خطا کرنی ہے۔ اللہ کے نبی انتخاب فرمائے اپنی جگہ بیٹھا دیں پھر اس میں کوئی کمی کوئی کمی آئے تو وہ اللہ کے نبی کی طرف منسوب ہو گی۔۔۔۔۔ تو یہ دو چیزیں تھیں۔ اللہ کے نبی تعین کے بغیر چلے گئے۔ تعین کرنے سے کوئی انکار کرتا۔ انکار تو ہوتا تھا۔ اب سعد بن عبادہ نہیں مانے آخر تک نہیں مانے۔ خالد بن سعید بن عامر نہیں مانے۔ علی نہیں مانے بعد میں حضرت فاطمہؓ کے انتقال کے بعد بیعت فرمائی۔ خالد بن سعید نے بھی چار پانچ مہینے لگا دیئے تھے نہ جا کے بیعت فرمائی۔ تو تعین کے بعد فرض کر دیا کہ سارے ہی مان جاتے جب اللہ کے نبی نے کہہ دیا تو پھر کون انکار کرتا؟ سارے ہی مان جاتے لیکن حضرت ابو بکرؓ سے جو کمی پیش ہوئی تھی بطور انسان۔ نہ ہم ان کو معصوم سمجھتے ہیں نہ محفوظ سمجھتے ہیں۔ یہ بھی میں تمہیں بار بار کہتا ہوں۔ یہ ٹھو ہے شیعوں کے رد میں حد سے تجاوز کرنا۔ ہم کسی کے رد میں اپنا راستہ نہ چھوڑیں گے۔۔۔۔۔ تو چونکہ یہ ہونے والا تھا ان سے بشری خطا ہوئی تھی اس پر کوئی اگر تبصرہ کرتا یہ کیا کر دیا تو یہ ظن اللہ کے نبی کی طرف ہو جاتا تھا۔ یہ اشد حماہاکت کے لئے۔۔۔۔۔ ابو بکرؓ 99 فیصد عصمت کے قریب ہو گئے لیکن 100 نمبر نہیں لے سکے۔ 100 نمبر لینے والا تو معصوم ہوتا ہے لہذا ہم انہیں ساڑھے 99 نمبر تو دے سکتے ہیں آدھا چھوڑ دیں گے تاکہ نبی اور غیر نبی میں فرق رہے۔“

ہم کہتے ہیں

مولوی طارق جمیل صاحب نے اس مقام میں کئی غلطیاں کی ہیں جن کا بیان ذیل میں ہے:

1۔ مولوی طارق جمیل صاحب کو اول تو عصمت کا مطلب ہی معلوم نہیں۔ عصمت کا مطلب ہے۔

عَلَّقَ مَنَعٌ عَنِ الْمَعْصِيَةِ غَيْرِ مُلْجِئٍ اِىٰ بَلِّ يَبْقَىٰ مَعَهُ الْاِخْتِيَارُ.

عصمت ایسا قلعہ اور دھن ہے جو بغیر مجبور کے معصیت سے روکتا ہے یعنی اس دھن کے ساتھ اختیار

باقی رہتا ہے۔

والتمعريف الناسي (ای التعريف السمذ کور) يلهم قول الامام ابی منصور الماتريدي

میں لام تعریف سے صرف دوسرے تمام مسلمان مراد ہیں یا تمام عالم کے انسان مراد ہیں۔ اگر تمام مسلمان مراد ہوں تو ہر ایک شاید نے کیا ہر ایک غائب کو جا کر تبلیغ کی۔ ایسا یقیناً نہیں ہوا۔ اور نہ ہی اس کا اہتمام وال التزام کرنا منقول ہے کہ ہر ایک شاید ہر ایک مختلف غائب کو جا کر بتائے گا۔ اور اگر کیا بھی ہو تو کیا اس سے ہر ایک غائب تک بات پہنچ گئی تھی۔

علاوہ انہیں جو چیز ہر ہر استی پر فرض ہو وہ تو اسور بدیہہ میں سے ہوتی ہے جیسے نماز اور روزہ وغیرہ حالانکہ تبلیغ کا ہر استی پر فرض ہونا امر بدیہی نہیں ہے بلکہ عام طور سے علماء کو بھی تسلیم نہیں ہے۔ پھر اس کو ماننے سے بڑی خرابیاں لازم آتی ہیں۔ مثلاً:

i- مولانا سعید خان صاحب کے کہے کے مطابق دعوت کے کام کو چھوڑے ہوئے تیرہ سو سال ہو گئے۔ اس کے مطابق تو کچھ صحابہ، بہت سے تابعین اور سارے ہی تبع تابعین سمیت امت کا ایک بڑا حصہ فرض میں کا تارک اور گناہگار ہی ہوا۔

ii- ہر ہر استی پر تبلیغ فرض ہو تو ظاہر ہے کہ سب تو رائے و مذہب جا کر تبلیغ کے اسلوب کو نہیں سیکھیں گے لہذا بہت سے جاہل اور ناقص تبلیغ کریں گے تو دین کو ناکندہ دینے کے بجائے دین کو نقصان پہنچائیں گے جیسا کہ عام مشاہدہ ہے۔

حجیہ 1: دعوت و تبلیغ کا کام اگر ہر ہر استی کے ذمہ ہو یعنی ہر ایک پر فرض ہونے کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ سوال بھی پیدا ہو گا کہ اس کی کتنی مقدار ہے جس کو ادا کرنے سے وہ بری الذمہ ہو سکے۔ جہاد جب فرض میں ہوتا ہے تو آدمی کو اپنا سب کچھ چھوڑ کر نکلتا ہوتا ہے تو کیا تبلیغ کے لئے بھی اپنا گھر بار اور کاروبار سب کچھ چھوڑے گا؟

حجیہ 2: یہ اعتراض بھی بنے گا کہ جب ہر ہر استی کے ذمہ فرض یا واجب ہے تو دیگر فرائض و واجبات کی طرح شارع نے ان کے دلائل و احکام کو پوری طرح ضبط کیوں نہیں کیا تاکہ امت اس کو بھول نہ جاتی؟

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی شرعی حیثیت

دعوت و تبلیغ کے مقابلہ میں ان کے کرنے والوں کا دائرہ ہم نے زیادہ وسیع بتایا ہے اس کی دلیل ہے حدیث من رای منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ (جو کوئی تم میں سے برائی ہوتے دیکھے تو اس کو اپنی

قوت بازو سے بدل ڈالے یعنی روک دے۔

لیکن اس حدیث سے بھی امت کا ہر فرد مراد لینا اور دنیا جہان کا کوئی بھی منکر ہو وہ مراد لینا درست نہیں بلکہ الفاظ اس بارے میں صریح ہیں کہ فقط وہ امتی مراد ہے جو برائی کو ہوتا ہونے دیکھے یا اس کے علم میں آئے کہ فلاں جگہ میں منکر ہو رہا ہے اور وہاں کے لوگوں نے اس کو روکنے کی کوشش نہیں کی اور اس کو وہاں تک پہنچنے کی آسانی ہو اور وہ اس برائی کو روکنے پر اپنے اندر قدرت بھی پاتا ہو۔

پھر دیکھئے اور علم رکھنے والوں میں سے اگر کسی ایک نے بھی برائی کرنے والے کو برائی سے روک دیا تو باقی سب سے حکم ماقط ہو جاتا ہے اور اگر کسی کو روکنے کی ہمت نہ ہو لیکن کسی ایک نے زبان سے ان کو فہمائش کر دی اور وہ باز نہیں آیا اور مزید کہنے سننے سے فائدہ کی توقع نہ ہو تو باقی سب لوگ دل میں اس کو برا جائیں تو اس سے بھی حکم پر عمل ہو جاتا ہے۔

### اہم تنبیہ

دعوت و تبلیغ کی شرعی حیثیت بتانے کا یہ مطلب نہیں کہ اب عوام مسلمان مطمئن ہو کر بیٹھ جائیں بلکہ اس سے غرض فقط یہ ہے کہ نصوص یعنی آیات و احادیث سے مطالب اخذ کرنے میں جو غلطی کی جا رہی ہے اس سے بچا جائے اور صحیح دلائل کو اختیار کیا جائے۔ اس کو ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں دعوت کا اصل کام علماء کی ذمہ داری ہے البتہ جب کام کے تقاضوں کے مطابق علماء کی تعداد کم ہو تو عوام کو مناسب تربیت دے کر ان سے بھی کام لے سکتے ہیں اور اس دور میں چونکہ دین مطلوب ہے اور کفر و فسق خوب پھیل رہا ہے اس لیے زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو اس کام میں نکلنے کی ضرورت ہے بلکہ حالات کا تقاضا ہے کہ سب ہی مسلمان اپنے کچھ اوقات کو بھی فارغ کریں اور مالی قربانی بھی دیں اور دین کے جس شعبہ سے ان کو مناسبت ہو اس میں اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ لگائیں۔

### دعوت و تبلیغ اور عورتیں

مولوی طارق جمیل صاحب اور ان کے ہم خیال حضرات کے نزدیک ہر عورت بھی اس کی مکلف ہے کہ وہ دوسروں کو جا کر تبلیغ کرے کیونکہ ہر راستی میں ہر عورت بھی شامل ہے اور مولوی طارق جمیل صاحب تو یہ کھلی کھلی بات کہتے ہیں کہ شاہد کے لفظ کی وجہ سے "امت کا ہر مسلمان مرد و عورت وہ اللہ کا

پیغام آگے پہنچانے والا ہے۔“ حالانکہ حکایات صحابہ میں درج مندرجہ ذیل حکایت ان کے دعوے کی نفی کرتی ہے۔

حضرت اسماء بنت یزید انصاری صحابیہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان میں مسلمان عورتوں کی طرف سے بطور قاصد کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں۔ بے شک آپ کو اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت دونوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا اس لیے ہم عورتوں کی جماعت آپ پر ایمان لائی اور اللہ پر ایمان لائی لیکن ہم عورتوں کی جماعت مکانوں میں گھری رہتی ہے پردوں میں بند رہتی ہے مردوں کے گھروں میں گزری رہتی ہے۔ اور مردوں کی خواہشیں ہم سے پوری کی جاتی ہیں ہم ان کی اولاد کو پیٹ میں اٹھائے رہتی ہیں اور ان سب باتوں کے باوجود مرد بہت سے ثواب کے کاسوں میں ہم سے بڑھے رہتے ہیں۔ جہد میں شریک ہوتے ہیں۔ بیماروں کی عیادت کرتے ہیں، جنازوں میں شرکت کرتے ہیں، حج پر حج کرتے رہتے ہیں اور ان سب سے بڑھ کر جہاد کرتے رہتے ہیں اور جب وہ حج کے لئے یا عمرہ کے لئے یا جہاد کے لئے جاتے ہیں تو ہم عورتیں ان کے مالوں کی حفاظت کرتی ہیں ان کے لئے کپڑا بنتی ہیں، ان کی اولاد کو پالتی ہیں، کیا ہم ثواب میں ان کی شریک نہیں؟ رسول اللہ ﷺ یہ سن کر صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ تم نے دین کے بارے میں اس عورت سے بہتر سوال کرنے والی کوئی سنی۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم کو خیال بھی نہ تھا کہ عورت بھی ایسا سوال کر سکتی ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اسامہ کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ غور سے سنو اور جن عورتوں نے تم کو بھیجا ہے ان کو بتا دو کہ عورت کا اپنے خاوند کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا اور اس کی خوشنودی کو ڈھونڈنا اور اس پر عمل کرنا ان سب چیزوں کے ثواب کے برابر ہے۔ اسامہ یہ جواب سن کر نہایت خوش ہوتی ہوئی واپس ہو گئیں (حکایات صحابہ۔ حضرت مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ)

یہ قصہ اس بارے میں نص صریح ہے کہ عورت کے لئے اصل کے اعتبار سے دین کے نام پر بھی کھر سے ٹٹکا صحیح نہیں ہے کیونکہ اگر جائز ہوتا تو سوال کی مناسبت سے رسول اللہ ﷺ یہ ضرور فرماتے کہ تم بھی اللہ کے راستے میں نکل سکتی ہو۔

غرض یہ مردوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے گھر کی عورتوں کی دینی ضروریات کا خیال رکھیں ان کی



دینی تعلیم کا اہتمام کریں اور ان کو کوئی بھی مسئلہ پیش آ جائے تو علماء سے پوچھ کر ان کو بتائیں۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اس دور کے حالات کی بناء پر عورتوں کو جو نمازوں کے لئے نکلنے کی اجازت تھی آپ ﷺ کے بعد حالات میں تغیر آنے کی وجہ سے وہ نکلنا بھی موقوف ہو گیا تھا اس لئے اصلاً تو تبلیغ کے نام پر بھی عورت کا نکلنا صحیح نہیں اور دعوت و تبلیغ یا جہاد کے لئے نکلنے پر جو فضائل وارد ہوئے ہیں عورتوں سے ان کا براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ ان کے لئے نکلنے کا حکم نہیں ہے بلکہ گھر میں رہنے کا حکم ہے۔

البتہ جب مجبوری ہو کہ عورت کی دینی ضروریات پوری کرنے کی گھر کے مردوں کو فکر نہ ہو تو اس وقت عورت گھر سے خود دین کا مسئلہ معلوم کرنے کے لئے نکل سکتی ہے اور بنیادی دینی تعلیم دینے کی خاطر مسئلہ بھی اپنے گھر سے نکل سکتی ہے۔ چونکہ آج کل بے دینی اور غفلت بلکہ بددینی کا رواج و غلبہ ہے اور بہت سے گھرانوں میں سرد اپنی ذمہ داریوں سے غافل اور بے فکر ہیں اس لئے دین کی بنیادی باتیں سیکھنے سکھانے کے لئے ضرورت کے درجہ میں اگر عورتیں پردے اور حجاب کے پورے آداب کے ساتھ نکلن خواہ ایک عورت ہو یا چند عورتیں مل کر ہوں تو یہ جائز ہے لیکن چونکہ یہ مجبوری کا نکلنا ہے اس لیے اس میں چند باتوں کی رعایت لازم ہے۔

1- دعوت و تبلیغ کے لئے یا علم دین کی طلب کے لئے مستقل نکلنے کی ترغیب نہ دی جائے اور نہ ہی نکلنے کے فضائل بیان کئے جائیں کیونکہ ان فضائل کا تعلق عورتوں سے براہ راست نہیں ہے بلکہ اپنے مردوں کے واسطے سے ہے جیسا کہ اوپر کے حصہ سے معلوم ہوا۔

2- چونکہ نکلنا ضرورت و مجبوری سے ہے لہذا نکلنا بقدر ضرورت ہو جہاں مثلاً دو عورتوں کے نکلنے سے کام چل سکتا ہو وہاں ایک بھی زائد عورت نہ جائے۔

3- چونکہ عورتوں کا نکلنا خود اصل مقصد نہیں ہے بلکہ اصل مقصد ایمان و احکام کو سیکھنا ہے اس لیے اس دوران بھی اور آئندہ کے لئے بھی عورتوں کی بنیادی دینی تعلیم کا بندوبست ہونا چاہئے۔ پھر جو عورتیں اتنا کچھ سیکھ جائیں وہ بلاوجہ کے ہر قسم کے پردہ گراموں میں شریک نہ ہوں بلکہ اپنے گھر میں رہتے ہوئے پاس پڑوسی کی عورتوں اور بچیوں میں محنت کریں تاکہ زیادہ عورتوں کو نکلنے کی ضرورت نہ پڑے۔



4۔ دین کا کام کرنے کی یہ صورت بھی ہو سکتی ہے کہ ایک میاں بیوی جن کو ضرورت کی دینی تعلیم دی گئی ہو وہ کسی محلہ میں جا کر دس چہرہ رو دن یا کم دیش ٹھہر جائیں اور محلہ کی عورتیں ان خاتون سے آ کر دین کے احکام اور فضائل سیکھیں۔

اہم تنبیہ: ہم نے اسرا بالمعروف و نہی عن المنکر کو دعوت و تبلیغ سے علیحدہ شعبہ شمار کیا ہے۔ اس کی وجہ بھی ہم بتا چکے ہیں لہذا جو حضرات ان کو ایک دوسرے کا شعبہ قرار دیتے ہیں ان کی بات کو ہم اگرچہ محترم خیال کرتے ہیں لیکن اس کو ہم پر حجت نہیں بنایا جاسکتا۔

کیا یہ امت ختم نبوت کی بنا پر نیابت نبوت کے لئے مبعوث ہوئی ہے؟

2۔ یہ کہنا یہ امت ختم نبوت کی بناء پر نیابت نبوت کے لئے مبعوث ہوئی ہے درست نہیں کیونکہ اگر یہ بات اس خیال پر مبنی ہے کہ پچھلی امتوں پر دعوت اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری نہیں تھی تو یہ بات فصوص کے خلاف ہے۔ قرآن پاک میں اصحاب سبت کا ذکر ہے یعنی وہ لوگ جن کو ہفت کے دن پچھلی کے شکار سے منع کیا گیا تھا لیکن انہوں نے شکار کے حیلے بہانے ایجاد کر کے نافرمانی کا ارتکاب کیا۔ ان کو کچھ لوگوں نے ایسا کرنے سے منع کیا لیکن وہ باز نہ آئے باقی کچھ لوگوں نے ان سے منع کرنے والوں کو کہا کہ تم ان لوگوں کو جن کو اللہ نے ہاک کر دیا ہے یا عذاب دینا ہے کیوں نصیحت کرتے ہو۔ مطلب یہ تھا کہ یہ ماننے پر تیار نہیں ہیں تو ان کو مزید نصیحت کرنا بھی چھوڑ دو۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہمارا یہ نصیحت کرنا اللہ کے نزدیک ہمارا عذر بن جائے گا کہ ہم نے نہی عن المنکر کی اپنی ذمہ داری پوری کر دی تھی۔

اسی طرح قرآن پاک میں امتوں میں دعوت کے واقعات بھی مذکور ہیں۔ سورہ مومن میں آل فرعون میں سے ایمان قبول کرنے والے ایک شخص کا طویل دعوتی بیان مذکور ہے۔ اسی طرح سورہ بدرج میں اصحاب اخذ و کا ذکر ہے جو ایک راہب کی شاگردی کرنے والے لڑکے کی بدولت مسلمان ہوئے۔ اس لڑکے کا لوگوں کو اسلام کی دعوت دینا صحیح مسلم میں مذکور ہے۔ پھر خود وہ لڑکا بھی تو راہب کی دعوت سے مسلمان ہوا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین کی دعوت و تبلیغ سے آپ کا دین پھیلا جو کہ تاریخ سے ثابت ہے۔

اور اگر یہ بات اس خیال پر مبنی ہے کہ یہ امت پوری دنیا کے لئے نکالی گئی ہے تو اس کا سبب ختم نبوت نہیں بلکہ نبی ﷺ کی نبوت کا عالمی ہونا ہے۔

ختم نبوت کی وجہ سے اس امت کو جو فضیلت اور مہم داری حاصل ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ اس امت کے علماء کو بنی اسرائیل کے انبیاء کے ساتھ تشبیہ دی گئی کہ ان کا بھی وہی کام ہے جو ان انبیاء کا تھا۔ دوسرے اس امت میں مجددین کا سلسلہ چلا ہے کہ گمراہوں نے دین میں خرابی پیدا کرنے کی جو کوششیں کی ہوں ان کے اثرات کو یہ مجددین دور کریں اور دین کو خالص کریں۔

پانچویں بحث

مولوی طارق جمیل صاحب اور موجودہ دور میں اصلاح کی راہ

مولوی طارق جمیل صاحب کہتے ہیں۔

”اب ہم کچے مسلمان ہیں..... ہمیں کہاں سے راستہ ملے گا؟..... ہم کچے مسلمان ہیں ہمیں اس بھنور سے نکلنے کے لئے جو راستہ ملے گا وہ صحابہ کے دور میں نہیں ہے..... پیچھے جانا پڑے گا پیچھے بنی اسرائیل میں جانا پڑے گا۔ وہ کچے مسلمان تھے وہ اس بھنور سے کیسے نکلے تھے؟ وہ راستہ اختیار کریں گے تو ہم نکلیں گے۔ میرے نبی کے دور میں کوئی بے فحاشی تھا نہ خلفائے راشدین کے دور میں کوئی بے فحاشی تھی..... جب (معصیت اور ظلم کا) یہ (سب کام) ہو رہا ہے اب ہمیں خلفائے راشدین سے مثال نہیں ملے گی نبوی دور سے مثال نہیں ملے گی۔ بدراہد، خندق ہمارے لئے دلیل نہیں بنیں گے ہمیں پیچھے جانا پڑے گا۔ یہی کچھ بنی اسرائیل کر رہے تھے تو اللہ نے ان پر فرعون کو چڑھایا پھر کیا ہوا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو چالیس سال ان پر نکال دیا مگر ان کو ان توبہ الفرمکس..... واقبموا الصلوۃ نمازیں پڑھو، گھروں کو مسجد بناؤ اللہ پر توکل کرو، توبہ کرو، استغفار کرو، اللہ کے سامنے جھکو۔ چالیس سال موسیٰ علیہ السلام فرعون کا ظلم سہتے رہے احتجاج نہیں کیا چپ کر کے ظلم سہا، قوم کو ایمان پر لاتے رہے، جب وہ اس سطح پر آ گئے کہ اب اللہ کی رحمت کا درکمل جائے گا اور فرعون پر جنت پوری ہو گئی تو اللہ نے وہاں سے نکالا پادروں کو فرعون کو غرق کیا اور انہیں پادکر کے وہاں تک پہنچا دیا۔

ہم کہتے ہیں

مولوی طارق جمیل صاحب نے یہاں بھی غلط بحث کیا ہے۔

1۔ اول تو چالیس سال کی بات فرعون سے نجات کے بعد کی ہے پہلے کی نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آخری دور میں جب بنی اسرائیل نے ارض مقدس کی فتح کا وعدہ دئے جانے

کے باوجود اس میں داخل ہونے سے انکار کر دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہہ دیا کہ آپ اور آپ کا رب جا کر لڑے ہم تو یہاں بیٹھے ہیں اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے چالیس سال تک وادی تیار میں بھٹکنے کی سزا بتائی۔ اسی مدت کے دوران حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کا انتقال ہوا۔

2- فرعون سے نجات سے پہلے بنی اسرائیل کی دینی حالت کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں ملتی۔ بس اتنا ملتا ہے کہ وہ فرعون اور فرعونوں کے ظلم و ستم کا شکار تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جہاں فرعون کو اسلام کی دعوت دی وہیں اس سے بنی اسرائیل کی خلاصی کا بھی تذکرہ کیا۔ اس وقت کے بنی اسرائیل کو ہمارے جیسا بدمل کہا جائے، یہ تو بلا دلیل کا بہتان ہے۔

3- بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کی جو طویل داستان ہے وہ فرعون سے نجات کے بعد کی اور وادی تیار میں بھٹکنے کی سزا ملنے کے درمیان کی مدت کی ہے۔

4- مولوی طارق جمیل صاحب نے جو آیت ذکر کی ہے وہ اس وقت کی ہے جب فرعون نے دوبارہ بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو جمع کر کے مبر کرنے اور اللہ پر بھروسہ کرنے کی تلقین کی۔ بنی اسرائیل نے جواب دیا کہ آپ کے آنے سے پہلے بھی ہم عذاب میں تھے اور آپ کے آنے سے امید بندھی تھی لیکن ہمارا عذاب تو ابھی تک جاری ہے۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو تسلی دی اور کہا کہ اللہ کا فیصلہ آنے تک مبر کر دو اور سر زمین مصر ہی میں اپنے گھروں کو مسجد بنا لو اور ان کو قبلہ رخ کر کے نماز قائم کرو۔

یہ اصل بات کا خلاصہ ہے جو ہم نے ذکر کیا اور یہ صحیح ہے کہ ہمیں بھی توبہ و استغفار اور اللہ کے سامنے جھکنے کی ضرورت ہے لیکن مولوی طارق جمیل صاحب نے جو کہانی بتائی ہے وہ ساری اپنی طبع زاد ہے اور اس طبع زاد پر انہوں نے اس امت کی اصلاح کا ضابطہ بنایا ہے۔

5- عجیب بات ہے کہ مولوی طارق جمیل صاحب یہ کہتے ہیں کہ ”ہم کچے مسلمان ہیں ہمیں اس بھنور سے نکلنے کے لئے جو راستہ ملے گا وہ صحابہ کے دور میں نہیں ہے۔۔۔۔۔۔ بدیر، احد و خندق ہمارے لئے دلیل نہیں بنیں گے ہمیں پیچھے جانا پڑے گا۔ یہی کچھ بنی اسرائیل کر رہے تھے تو اللہ نے ان پر فرعون کو چڑھایا پھر کیا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو چالیس سال ان پر لگایا مگر

کرائی..... نمازیں پڑھو، گھروں کو مسجدیں بناؤ، اللہ پر توکل کرو، توبہ کرو۔ استغفار کرو، اللہ کے سامنے جھکو۔ چالیس سال موسیٰ علیہ السلام فرعون کا ظلم سہتے رہے احتجاج نہیں کیا چپ کر کے ظلم سہا قوم کو ایمان پر لاتے رہے۔ جب وہ اس سطح پر آ گئے کہ اب اللہ کی رحمت کا درکھل جائے گا اور فرعون پر رحمت پوری ہوگئی تو اللہ نے وہاں سے نکالا پار کر دیا، فرعون کو غرق کیا۔

مولوی طارق جمیل صاحب تو یہ بات کہتے ہیں کہ موجودہ بھنور سے نکلنے کے لیے ہمیں جو راستہ ملے گا وہ صحابہ کے دور میں نہیں ہے جب کہ مولانا الیاس اپنی دعوت و تحریک کے متعلق کبھی کبھی فرماتے تھے کہ یہ قرن اول (یعنی صحابہ کے دور) کا ہیرا ہے۔ (حضرت مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت) یعنی مولانا الیاس بھنور سے نکلنے کا راستہ صحابہ کے دور سے ہی لاتے ہیں۔ نیز تبلیغ والوں کے نصاب میں بھی حکایات صحابہ مستقل رسالہ کے طور پر موجود ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اپنی اصلاح کے لیے صحابہ کے دور کی طرف دیکھتے ہیں۔ مولانا یوسف صاحب رحمہ اللہ کی تصنیف حیاۃ الصحابہ بھی اسی مدار پر ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ مولوی طارق جمیل صاحب نے پھر ایسا کیوں کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کے دور میں دو کام ملتے ہیں ایک دعوت اور دوسرا جہاد و قتال جس میں بدرہ احد اور خندق بھی پیش آئے۔ مولوی طارق جمیل صاحب اگر مولانا الیاس والی بات کہتے تو اس پر کوئی یہ کہہ سکتا تھا کہ یہ قرن اول کے ہیرے کا ایک ٹکڑا ہے پورا ہیرا نہیں ہے کیونکہ اس کام میں جہاد و قتال شامل نہیں ہے۔ چونکہ طارق جمیل صاحب یہ ملے کئے بیٹھے ہیں کہ اس دور میں استعداد نہ ہونے کی وجہ سے جہاد ہے ہی نہیں بس صبر ہی صبر ہے اور جو لوگ جہاد کے نام پر اپنی جانیں دے رہے ہیں وہ فضول میں دے رہے ہیں تو انہوں نے صحابہ کے دور کو بھی پیچھے چھوڑا اور کوئی مثال نہیں ملی تو بنی اسرائیل کے بارے میں اپنی طرف سے من گھڑت کہانی بنائی اور یہ حاصل نکالا کہ ”چالیس سال تک موسیٰ علیہ السلام فرعون کا ظلم سہتے رہے احتجاج نہیں کیا چپ کر کے ظلم سہا قوم کو ایمان پر لاتے رہے۔ جب وہ اس سطح پر آ گئے کہ اب اللہ کی رحمت کا درکھل جائے گا۔“ یعنی ایمان پر اور نماز و توبہ پر لانے کے لئے تو صحابہ کے دعوت کے کام کو لیا جائے۔ کیونکہ یہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی کرتے رہے اور نماز و توبہ پر آنے کے بعد مستقل نمازیں پڑھو توبہ و استغفار کرو یہاں

تک کہ جب ایمان و توبہ کی خاص سطح پر پہنچ جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ کسی کے کسی اقدام کے بغیر فرعون کی طرح امریکہ دیورپ اور ان کے حواریوں کو خود ہی تباہ و برباد کر دیں گے۔ تم نہ جہاد کا سوچو اور نہ احتجاج کرو بس صبر کرو اور صبر کرو۔

چھٹی بحث:

مولوی طارق جمیل صاحب کا موجودہ تبلیغی کام کے بارے میں غلو

مولوی طارق جمیل صاحب کہتے ہیں۔

”مولانا الیاسؒ پر اللہ تعالیٰ نے جو پیغام فرمایا پچھلی کئی صدیوں میں کسی پر نہیں ہوا۔ پچھلے ہزار سال بھی میں کہوں تو یہ مبالغہ نہیں ہے۔“  
ہم کہتے ہیں کہ

مولوی طارق جمیل صاحب نے یہ نہیں بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے مولانا الیاسؒ پر کیا پیغام نازل فرمایا۔ اگر یہ پیغام نازل فرمایا تھا کہ مسلمان اب کمزور ہیں اور کمزوری کے احکام اور ہوتے ہیں تو ظاہر ہے کہ یہ الہام کمزوری کے زمانے ہی میں ہوتا تھا۔ جب مسلمان قوت میں تھے اس وقت یہ الہام کیوں ہوتا۔ اور اگر تبلیغ کا موجودہ طریقہ الہام کیا تھا تو تب بھی ظاہر ہے کیونکہ جب مولوی طارق جمیل صاحب کے مطابق مولانا الیاسؒ کو یہ الہام بھی ہوا تھا کہ اس وقت مسلمان کمزور ہیں تو کام کا جو طریقہ الہام کیا گیا وہ بھی کمزوری کے زمانے کے موافق ہوتا تھا۔ جب مسلمان قوت میں تھے اس وقت کمزوری کے حالات والا طریقہ کیوں الہام کیا جاتا۔ اور اگر وہ کوئی ایسا پیغام تھا جو سابقہ قوت کے زمانوں میں بھی موثر اور ضروری تھا تو پھر دوبارہ باتیں ہیں:

۱۔ وہ دلائل اربعہ سے قائل استنباط ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو یہ تو نئی وحی ہوئی جو رسول اللہ ﷺ کے بعد متصور نہیں۔

۲۔ اور اگر وہ قائل استنباط ہے تو پھر وہ الہام محض، لطف و عنایت خداوندی ہے۔ لیکن پھر سوال یہ ابھرتا ہے کہ قائل استنباط ہونے کے باوجود پوری کی پوری امت ضرورت کے وقت میں اس کا استنباط کیوں نہ کر سکی۔ یہ بات تو اس کے معتدل امت ہونے کے خلاف ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے محض اپنے

فصل سے الہام فرمایا تو پہلے نہ کرنے اور دب کرنے میں کیا چیز مؤثر اور مرجع بنی۔ غرض مولوی طارق جمیل صاحب کے اس ایک جملہ سے کہتے ہی سوال ابھرتے ہیں جن کو انہوں نے لاٹگل چھوڑ دیا۔ اس عقدہ لاٹگل کو اب ہم کھولتے ہیں۔ مولوی طارق جمیل صاحب کے اس جملہ میں دراصل اجمال ہے اور اس اجمال کی تفصیل مولانا سعید خان صاحب کا بیان ہے جو انہوں نے جناب بابو بشیر صاحب مرحوم کے نام اپنے ایک خط میں تحریر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”دعوت کے کام کو چھوڑے ہوئے تیرہ سو سال ہو گئے اور اس کے منافع اور اس کی عظمت اور اس کی ضرورت اور اس کا طریقہ اور اس کے اصول اور اس کا اسلوب اس وقت اہل زمانہ کے دماغوں سے سب بھول ہو گئے۔ ہر ایک اپنے اپنے علم و فہم کے اعتبار سے جو صحابہ علیہ السلام کے علم و فہم سے جدا گانہ ہے اور رسول اللہ ﷺ کے مزاج سے بہت دور ہے اپنی اپنی رائے زنی کرتے ہوئے دعوت کی ضرورت کو بیان کرتا ہے حالانکہ دعوت علم کے اعتبار سے جو عمل سے علیحدہ ہو گیا ہے سمجھنا بہت مشکل ہے۔ حضرت مولانا دلیاںؒ پر حق تعالیٰ نے خصوصیت سے وہ کچھ کھولا جو دوسرے علماء پر نہیں کھولا اس لئے اس کام کے کسی عمل کو علمی دلائل سے سمجھنا صحیح نہیں۔“ (مکاتیب مولانا سعید خان صاحب ص 92)

ہم کہتے ہیں:

یہ کہنا کہ امت تیرہ سو سال سے دعوت کے کام کو سرے سے بھولی رہی اور اس کے اصول و آداب اور اسلوب و ضرورت سب دماغوں سے محو ہو گئے تو یہ امت پر بہت بڑا الزام ہے۔ دعوت و تبلیغ بھی دین کا ایک حصہ ہے اور دین کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے لے رکھا ہے لہذا یہ بات سمجھی درست نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح یہ بات ماننے سے لازم آئے گا کہ کچھ صحابہؓ بہت سے تابعین اور سارے ہی تبع تابعین نے رسول اللہ ﷺ اور اہل بیتؓ کے دعوت والے کام کو آگے نہ چلایا۔

ہاں ہر دور کے اعتبار سے دعوت کی صورتیں مختلف رہیں۔ مسلم معاشرہ میں وعظ و نصیحت اور تعلیم و تربیت کا سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہوا۔ صوفیاء بھی اصلاح و ارشاد کا کام کرتے رہے ہیں اور کہتے ہی ممالک میں بہت بعد کے زمانے میں اسلام پھیلایا ہے۔ تاجریوں میں اسلام آیا تو وہ بھی آخر کسی کی دعوت ہی کا اثر تھا۔ ہندوستان میں مغل بادشاہ اکبر کے زمانے کی بددینی حضرت مہمد صاحبؒ کی دامیانہ کوششوں کی

المعصية لا تنزيل المحنة اي الا ابتلاء المقتضى لبقاء الاختيار. قال صاحب البدایة و  
معناه یعنی قول ابی منصور انها لا تجبره علی الطاعة ولا تعجزه عن المعصية بل هي  
لطف من الله تعالى يحمله علی فعل الخير ويزجره عن فعل الشرع بقاء الاختيار  
تحقيقاً لا ابتلاء اه. (المسامرة علی المسایرة ص 205).

معصیت کی مذکورہ بالا تعریف امام ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ کے اس قول کے موافق ہے کہ معصیت سے  
انطا اور آزمائش زائل نہیں ہو جاتی جو اختیار کے باقی رہنے کا تقاضا کرتی ہے۔

صاحب بدایہ کہتے ہیں کہ امام ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ معصیت کی وجہ سے  
نئی نیکی کرنے پر مجبور اور معصیت کرنے سے عاجز نہیں ہو جاتا بلکہ معصیت تو اللہ تعالیٰ کا لطف اور اس کی  
مہربانی ہوتی ہے کہ جو نبی کو بھلے عمل پر ابھارتی ہے اور برے عمل سے روکتی ہے اور معصیت کا یہ عمل اسی وقت ہو  
سکتا ہے جب نبی کا اختیار باقی ہو۔

غرض معصیت گناہ و معصیت سے ہوتی ہے غلط فہمی یا اجتہاد میں خطا اور چوک ہونے سے نہیں ہوتی۔  
انبیاء علیہم السلام سے ان کے معصیت سے معصوم ہونے کے باوجود تنہا یا غلط فہمی کا سہارا ہو سکتا ہے۔

(۲) انبیاء علیہم السلام معصیت سے معصوم ہوتے ہیں۔ کوئی غیر نبی بھی معصیت سے معصوم ہو سکتا ہے یا  
نہیں۔ اس کے بارے میں شریعت خاموش ہے۔ شاہ اسماعیل شہید اپنی کتاب عقائد میں لکھتے ہیں۔

”بعض لوگوں کو اس مسئلہ پر شدت سے اصرار ہے کہ پیغمبروں کے سوا معصیت کی صفت کا انتساب کسی  
دوسرے کی طرف جائز نہیں ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ اس سے کیا مطلب ہے؟

اگر یہ غرض ہے کہ پیغمبروں کے سوا کسی دوسرے کے لئے معصیت کی صفت شریعت سے ثابت نہیں تو  
داد و اس اعتراض کے یعنی آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق جو یہ فرمایا ہے کہ الحق بنطق علی  
لسان عمرو (یعنی حق عمر کی زبان پر بولا ہے) یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا دار الحق مع علی  
حبس دار (یعنی علی کے ساتھ حق گھوم جاتا ہے جدھر بھی علی گھومے) پیغمبر کے ان اقوال کی یا ان ہی جیسے  
دوسرے اقوال جن کا مفاد بھی یہی ہے ان سب کی خواہ مخواہ تاویل کر لی پڑے گی۔

اور اگر ان کی غرض یہ ہے کہ واقع میں پیغمبروں کے سوا معصیت کی صفت کسی دوسرے انسان کے لئے  
ثابت نہیں ہو سکتی تو ظاہر ہے کہ اس دعویٰ کے اثبات میں دلیل پیش کرنا ان کا فرض ہے کیونکہ شرعی طور پر زیادہ  
سے زیادہ یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ شریعت پیغمبروں کے سوا دوسروں کی معصیت کے متعلق خاموش ہے لیکن کسی



بدولت ہی ختم ہوئی۔ احمد شاہ ابدالی کو حضرت شاہ ولی اللہ کی دعوت ہی سرہنوں کے خلاف میدان میں لائی۔  
 انگریزوں کے مکمل تسلط کے بعد دارالعلوم دیوبند نے اپنا کام کیا جو کہ دعوت ہی کا کام تھا۔ یورپ والوں  
 اور انگریزوں کی راجسی کا دور شروع ہونے لگا تو مسلمان ملکوں میں جو طبقہ برسرِ اقتدار آنا تھا وہ کہنے کو تو  
 اگرچہ مسلمان تھا لیکن مغربی آقاؤں کا کلر اور عمل دونوں طرح سے مکمل غلام تھا۔ مغرب والوں کو دین کے  
 نام پر لگوانے کی مزید سکت نہ تھی۔ لیکن ان غلام حکمرانوں کو یہ اطمینان تھا کہ ہم بھی مسلمان ہیں اور اسلام  
 بس وہی ہے جو ہم نے سمجھا ہے ہندوؤں کے نام پر ہمارا مقابلہ کرنے والے قاتل گردن زنی ہیں۔ مصر اور  
 بعض دیگر ملکوں میں اور اب پاکستان میں بھی اس کا مظاہرہ بھی ہو چکا ہے کہ نئے مسلم حکمرانوں نے دینی  
 قوتوں سے اپنے فائدے نکالے اور بحران کو پوری طرح کچلنے میں مصروف ہو گئے اور دھوکہ دفریب اور ظلم  
 و بربریت میں اپنے مغربی آقاؤں سے بھی آگے بڑھ گئے۔

ایسے حالات میں جب کہ ساری قوت نئے حکمرانوں کے ہاتھوں میں مرکوز ہونے والی تھی اور مغربی  
 دنیا کی ان کو مکمل پشت پناہی حاصل ہوتی تھی اور بے دینی اور بد دینی کو پھیلانے کی بھرپور کوششیں ہو  
 رہی تھیں اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا الیاس کو یہ طریقہ الہام فرمایا تاکہ ظاہری کشمکش سے بچتے ہوئے  
 ایمان و یقین کی دعوت چلے اور بحمد اللہ اس طریقے سے بہت فائدہ ہوا اور ہو رہا ہے۔

حضرت مولانا الیاسؒ نے خواب میں دیکھا تھا کہ ان سے کہا گیا کہ ہم تم سے کام لیں گے۔ یہی  
 کچھ واقعہ ان سے پہلے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور ان سے بھی پہلے حضرت سید احمد شہیدؒ کے ساتھ  
 پیش آچکا تھا۔ ان حضرات کے کام بھی الہامی تھے۔ اگر حضرت مولانا الیاسؒ کا طریقہ ہی ضروری تھا تو  
 ان حضرات کو اس کے خلاف کیوں الہام ہوا۔ بات وہی ہے جو ہم نے ذکر کی اس میں کوئی شک نہیں کہ  
 اس دور میں دعوت کے جس طریقہ کی ضرورت تھی اللہ تعالیٰ نے خصوصیت سے اس کو حضرت مولانا الیاسؒ  
 پر کھولا اور ان کو اس کے آداب و اصول کو انصوم سے استنباط کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ ایسا نہیں ہوا کہ  
 ان کو مادراءِ انصوم کوئی نئی باتیں الہام ہوئی ہوں۔ اس استنباط و اجتہاد میں وہ معصوم نہیں تھے اگر ان کی  
 کوئی بات انصوم کے خلاف ہوگی تو اصولی طور پر وہ قاتل اصلاح ہوگی۔

کسی کو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ مولانا سعید خان صاحب کی بات کا مطلب یہی تو ہے کہ دعوت کا کام  
 صحابہ کے دور کا تھا جو پھر معطل ہو گیا تھا اور مولانا الیاسؒ نے بھی یہی بات فرمائی تھی جیسا کہ مولانا منکھور



نعمانی لکھتے ہیں:

”مولانا (الیاس) مرحوم اپنی دعوت و تحریک کے متعلق کبھی کبھی فرماتے تھے کہ یہ قرن اول کا ہیرا ہے۔“ (حضرت مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت ص 38)

یعنی قرن اول اور صحابہ کے دور کا کام ہے لہذا مولانا سعید خان صاحب پر اعتراض نہ رہا۔ ہم کہتے ہیں: کہ دونوں کی باتوں میں بہت فرق ہے کیونکہ صحابہ کے دور کا کام اور ہیرا ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ تیرہ سو سال تک کام معطل و مدفون رہا ہو اور اس طویل دور کے لوگ اس کی حقیقت اور اس کے اسلوب تک سے ناواقف رہ گئے ہوں اور پھر بالآخر مولانا الیاسؒ نے اس کو کہیں سے کھود کر وضو نہ نکالا ہو۔ یہ تو مودودی صاحب کا طرز عمل ہے جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن کی بنیادی اصطلاحات یعنی دین اور عبادت وغیرہ پر صدیوں کا گرد و غبار پڑا رہا اور پھر انہوں نے اس گرد و غبار کو دور کر کے ان اصطلاحات کے اصل مفہوم لوگوں کے سامنے کھولے۔

ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور دعوت الی الخیر دو علیحدہ علیحدہ شعبے ہیں۔ دعوت الی الخیر سے مراد قرآن و سنت کی اتباع کی دعوت ہے۔ یہ دعوت کافروں کو بھی ہے اور مسلمانوں کو بھی ہے۔ مسلمانوں کو دین کے عقائد اور اخلاق و احکام کی دعوت ہے اور کافروں کو اسلام و ایمان کی دعوت ہے۔ دعوت الی الخیر یا دوسرے لفظوں میں دعوت و تبلیغ کا کام اصلا علماء کی ذمہ داری ہے۔

مسلمانوں میں دعوت الی الخیر کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں:

1- دعوت الی الخیر کے کام کرنے والی جماعت کے تسلسل کو قائم رکھنے اور محفوظ رکھنے کی تدبیر کرنا یعنی علماء کو تسلسل سے تیار کرنا۔ اس کے لئے ہر اس کو قائم کرنا اور وہاں تعلیم دینا بھی دعوت و تبلیغ کا حصہ ہے۔

2- مسلمان عوام کی تعلیم و تربیت کے لئے درس کے حلقے قائم کرنا، وعظ کرنا، لوگوں کو دین کے مسائل و اخلاق سکھانا، قرآن پاک کی تعلیم کا انتظام کرنا، تزکیہ نفس کی تعلیم دینا یہ سب باتیں دعوت الی الخیر میں داخل ہیں۔ پھر اس کے لئے وہ چاہیں زبانی دعوت دیں خواہ فرد فرد سے یا لوگوں کے اجتماع سے یا تحریر کے ذریعہ دعوت دیں یعنی دین کے مختلف احکام سے متعلق کتابیں اور رسالے لوگوں کے لئے لکھیں یہ بھی دعوت ہی کا حصہ ہے۔

3- جو لوگ مسلمانوں میں گمراہیاں پھیلانے میں لگے ہیں ان کا توڑ کرنا اور مسلمان عوام کو ان کی گمراہیوں سے آگاہ کرنا اور ان سے بچنے کی تاکید کرنا۔

مسلمانوں میں دعوت و تبلیغ کے مندرجہ بالا طریقے صحابہ کے دور سے اب تک قائم ہیں۔ بعد کے ادوار میں علماء کے کوتاہی کرنے کا ہم انکار نہیں کرتے لیکن پھر بھی نمایاں طریقے سے یہ کام ہوتے رہے اور ہو رہے ہیں۔

کافروں میں اسلام کی دعوت کا جہاں تک تعلق ہے تو اصل بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی عربوں کی طرف براہ راست بعثت ہوئی تھی اور ان کے لئے صرف دو ہی راستے تھے یا تو مسلمان ہو جائیں یا قتل ہو جائیں الا یہ کہ کوئی جزیرہ نما عرب سے ہی نکل جائے۔ لیکن ایک وقت تک صرف دعوت و تبلیغ کا حکم رہا اور رسول اللہ ﷺ کو یہی حکم رہا کہ آپ یہی کام کرتے رہیں اور آپ کے ساتھ صحابہ بھی یہ کام کرتے رہے۔ یہ ایک ہیرا تھا۔ اس وقت میں دعوت کا رنگ یہی تھا۔ کہ ہر ایک کے پاس جانا اور اسے سمجھانا اور منت سماجت بھی کرنا۔ لیکن صحابہ ہی کے دور میں جب ان کو جہاد کا دوسرا ہیرو ملتا تو اگرچہ دعوت کا کام موجود رہا لیکن اب رنگ بدلنے لگا۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ اب کمزوری کا دور گزر گیا تھا اور قوت و شوکت حاصل ہونے لگی تھی اس لئے اب دعوت میں قوت کا استعمال ہونے لگا تھا یہاں تک کہ فتح مکہ کے بعد بہت سے قبائل جو فوج در فوج اسلام میں داخل ہوئے تو محض قریش کے مقابلہ میں اسلام کے غلبہ کی وجہ سے ہوئے اور مکہ مکرمہ کے شرکین بھی مجبور ہوئے کہ یا تو اسلام قبول کر لیں یا جزیرہ نما عرب سے نکل جائیں۔

پھر جب دوسری قوموں کا معاملہ پیش آیا تو دعوت اور جہاد ساتھ ساتھ ہوتے تھے۔ پورا مسلح لشکر نکلتا تھا اور دعوت اس رنگ میں دی جاتی تھی کہ یا تو اسلام قبول کر لو یا اسلامی حکومت کے باج گزار بن جاؤ یا پھر جنگ کر لو اور کفر کے مقابلہ میں اسلام کا کلہ اور اس کی شوکت غالب رہے اور تم زندہ رہو تو ذی بن کے رہو۔

غرض جیسے جیسے صحابہ کے حالات بدلتے گئے دعوت کا رنگ بدلتا گیا۔ ایسے ہی بعد کے زمانوں میں ہوا۔ پھر ذمیوں میں کچھ تو اسلام کی اپنی حقانیت اور کشش کی وجہ سے اور کچھ مسلمانوں کے اعمال و اخلاق سے اسلام آیا لیکن ان میں اسلام آنے کا براذریہ دعوت تھی جو علماء و صوفیاء کی طرف سے دی گئی۔

مسلمانوں میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر

مسلمانوں میں اچھے کاموں میں سستی کرنے پر اور برائی کا ارتکاب کرنے پر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے شعبے کے تحت علماء اور عوام کچھ نہ کچھ کام کرتے ہی رہے ہیں۔

مسلمانوں کے زوال اور غیر مسلموں کے غلبہ کے باعث جو بے دینی اور بد دینی پھیلی ہے تو اس میں اگرچہ کرنے کا اصل کام امر بالمعروف و نہی عن المنکر تھا لیکن اس کا زیادہ فائدہ نہیں ہوا۔ وعظ و نصیحت اور درس و تدریس صرف انہی لوگوں کو مفید تھے جو ان میں حاضر ہوتے تھے جب کہ اب حالات یہ بن گئے تھے کہ کافروں کے غلبہ نے اور ان کے اسلام دشمن انتظامات نے بہت سے عوام مسلمانوں کے حراج میں دین کی طرف سے غفلت والا پرواہی پیدا کر دی اور علماء کی وقت ان کے دلوں سے نکال دی۔ فرض امر بالمعروف و نہی عن المنکر عام طور سے غیر مؤثر ہوئے اور وعظ و درس میں یہ شریک ہی نہیں ہوتے تھے۔

ایسے میں اللہ تعالیٰ نے مولانا الیاسؒ کے دل میں یہ بات ڈالی کہ بے دینی اور بد دینی کے ان حالات میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ نے ابتدائی دور میں جس طرح سے کافروں میں دعوت و تبلیغ کا کام کیا تھا اسی نبج پر مسلمانوں میں کام کیا جائے۔ یہ ایک بالکل نیا مجالہ تھا کہ جو کام مسلمانوں میں اصلاً امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ذریعہ کرنے کا تھا اس کو دعوت و تبلیغ کے اس طریقہ سے کیا جائے جو ابتداءً ایک کافر معاشرہ میں اختیار کیا گیا تھا کہ ایک ایک کے پاس جائیں اور منت سماجت کریں اور سمجھائیں بھنائیں۔

چونکہ یہ کام دعوت کا ہے اور دعوت کے کام کے کچھ اصول اور ضابطے اور آداب ہوتے ہیں اس لئے اصلاً یہ ذمہ داری علماء کی ہے لیکن چونکہ بے دینی کے حالات ساری اسلامی دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں اس لئے ضرورت کے وسیع ہونے کی وجہ سے عوام کو تربیت دے کر ان سے کام لیا جا سکتا ہے۔

اس سب کے باوجود یہ ایک اجتہادی اور فنی طریقہ ہے اور اس سے دعوت الی الخیر کے دوسرے طریقوں کی اور اصحاب عزیمت کے حق میں جہاد کی لٹی کرنا درست نہیں ہے۔

## مولوی طارق جمیل اور دوسرے اصحاب کی بے قاعدگیاں

۱۔ مولوی طارق جمیل صاحب کی بے قاعدگی: خلیفہ نائب اور وارث کی بات مولوی طارق جمیل صاحب کہتے ہیں۔

”عبدالوہاب صاحب اللہ تعالیٰ کے بڑے مقرب بندے ہیں۔۔۔۔۔ ان کو ایک درد و غم ہے کہ کسی طرح لوگ اس کام پر آجائیں۔۔۔۔۔ تو بس وہ کبھی کوئی بات چلاتے ہیں کبھی کوئی چلاتے ہیں۔ تو یہ بات انہوں نے چلائی شروع کر دی کہ شاید میں یہ کہوں گا تو ان کو اپنی ذمہ داری کا احساس ہوگا اور وہ یہ کام کرنا شروع کر دیں گے۔ انہوں نے کہا ہر آدمی خلیفہ ہے ہر آدمی خلیفہ ہے ہر آدمی نائب ہے ہر آدمی نائب ہے تو انہی جاعل فی الارض خلیفہ۔۔۔۔۔ تو اب خلیفہ کا اصل تو ہے بخلف بعضکم بعض اور دوسرے معنی میں بھی لیا گیا ہے کہ وہ ہر انسان کے لئے نہیں ہے۔ وہ مفتی شفیع صاحب نے اس پر لکھا ہے اور علماء نے بھی لکھا ہے تو اس وقت یہ خیال آیا کہ بھائی ہر آدمی کیسے اللہ کا خلیفہ ہو سکتا ہے؟ ایک آدمی زانی، شرابی، جواڑی۔۔۔۔۔ وہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ اللہ کے نائب ہیں۔۔۔۔۔ اب ہم کہیں وہ اللہ کا خلیفہ ہے اور وہ چوری کر رہا ہے ڈاکے ڈال رہا ہے۔۔۔۔۔ پھر میری بات ہوئی عبدالوہاب صاحب سے، مولانا جمید صاحب سے تو پھر معاملہ پیچھے ہٹ گیا۔“

ہم کہتے ہیں۔

۱۔ معاملہ صرف خدا کے خلیفہ ہی کا نہیں بلکہ نبی اور قرآن کے وارث کی بات بھی چلی تھی کہ ہر ہر اسی نبی کا بھی وارث ہے اور قرآن کا بھی وارث ہے۔

۲۔ یہ بات بعید ہے کہ عبدالوہاب صاحب نے از خود یہ بات نکال لی ہو بلکہ یہ باتیں تبلیغی حلقے کے علماء نے بتائیں اور عبدالوہاب صاحب نے ان کو لے کر چلا دیا۔ اتنی بات تو بہر حال امر واقعی ہے کہ عبدالوہاب صاحب یہ بات ایک عرصہ تک چلاتے رہے اور رائے وٹ کے علمی حلقوں نے اس کے خلاف آواز نہیں اٹھائی۔ دوسرے حضرات اس کے خلاف اپنی آواز اٹھاتے رہے لیکن رائے وٹ کے علماء نے اس پر چنداں توجہ نہیں کی۔ ہاں جب مولوی طارق جمیل صاحب کے اپنے دماغ میں سہائی تو انہوں نے پھر کوایا۔ یا تو رائے وٹ اور تبلیغ سے وابستہ علماء حقیقت کو سمجھنے کی کوشش نہیں

کرتے یا مدت سے کام لیتے ہیں۔

3- ہر شخص اللہ کا نائب اور خلیفہ ہے اس کے غلط ہونے کو تو مولوی طارق جمیل صاحب نے سمجھ لیا اور سمجھا دیا لیکن بات تو یہ بھی کہی گئی تھی کہ ہر شخص رسول کا نائب اور کتاب اللہ کا وارث ہے۔ اس کے غلط ہونے کو شاید وہ ابھی تک نہیں سمجھے کہ ایک آدمی زانی، شرابی اور جواری ہو تو یہ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ یہ رسول کے نائب اور کتاب اللہ کے وارث ہیں اور نہ ہی انہوں نے یہ بات سمجھی کہ رسول اللہ ﷺ نے شخصوں کے ساتھ کیوں فرمایا کہ العلماء ورتة الانبياء۔

4- مولوی طارق جمیل صاحب اتنی بڑی غلطی کو جناب عبدالوہاب صاحب کی طرف منسوب کرتے ہیں پھر بھی یہ حکم لگاتے ہیں کہ ”یہ سارے آجکل کے حضرت مولانا اور علاقے اس شخص کے قدموں کی خاک بھی نہیں ہیں“۔ ہم تو قائل ہیں نہیں پڑتے اور دین کے مددگاروں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں نہ جانے مولوی طارق جمیل صاحب نے ذوات میں قائل کرنا کس سے سیکھا ہے ان کی جماعت نے ان کو اس کی اجازت کیونکر دی ہے۔

II۔ مولانا احسان صاحب کی بے قاعدگی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور کی بات ہے انہوں نے ایک رات ایک عورت کو یہ شعر پڑھتے ہوئے سنا۔

لو الله لو لا الله تخشى عواقبه  
لو حرح من هذا السرير جوانه

اللہ کی قسم اگر (نفل بد کے) انجام کا ڈر نہ ہوتا تو اس چار پائی کے کنارے اس سے دور ہو جاتے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تحقیق کی تو پتہ چلا کہ ایک عورت کے شوہر کو جہاد میں گئے بڑا عرصہ ہو گیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر کہ اس عورت کو اپنے شوہر کی طلب ہو رہی ہے اپنی بیٹی ام المؤمنین حضرت

حفصہ سے پوچھا کہ عورت اپنے مرد کے بغیر کتنا عرصہ رہ سکتی ہے۔ حضرت حفصہؓ خود بھی عورت تھیں بلکہ

ام المؤمنین بھی تھیں اور عورتیں اپنے مسائل کے لیے کہ ان کے پاس آتی تھیں اس لئے وہ عورتوں کی فطری

ضروریات سے خوب باخبر ہوں گی۔ انہوں نے حقیقی جواب دیا کہ چار ماہ تک۔ ان کا متعین جواب دینا

اس بات پر دلیل ہے کہ ان کو اس بات کی تحقیق ہوگی ورنہ صحابہ اور صحابیات نہ تو تکلف برتتے تھے اور نہ

ہی انکل سے جواب دیتے تھے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ان کے جواب کو قبول کرنا اور دیگر صحابہ میں سے کسی

کا اس پر انکار نہ کرنا اس جواب کے صحیح اور حق ہونے پر دلیل ہے۔ اس کی بنیاد پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

علامہ ابن عابدین کے الفاظ میں یہ حکم جاری فرمایا:

امراء الاجناد ان لا يتخلف المتزوج عن اهله اكثر منها  
لشکروں کے امیروں کو حکم دیا کہ کوئی شادی شدہ فوجی اپنے گھر والوں سے چار ماہ سے زائد  
غائب نہ رہے۔

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ کے یہ الفاظ روایت بالسنن ہیں جب کہ حدیث کی کتابوں میں جو الفاظ  
ملنے ہیں وہ یہ ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا لا تجسس العیاش (میں چار ماہ سے زائد لشکر کو نہیں  
روکوں گا) یا فرمایا لا تجسس الجیوش (چار ماہ سے زائد لشکروں کو نہ روکا جائے۔)

پورے قصہ کو سامنے رکھا جائے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم ایک عورت کی خواہش پر تھا اور عورتوں کی  
خاطر سے تھا کسی مرد نے مطالبہ نہیں کیا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول الفاظ کا وہی مطلب نکلتا ہے جو  
علامہ ابن عابدینؒ نے لکھا ہے لیکن رائے دہندہ دوسرے کے مولانا احسان صاحب نے حیاۃ الصحابہ کے اپنے  
ترجمہ میں بین القوسین کچھ الفاظ بوجہ کر حکم کا مفہوم بدل دیا۔ انہوں نے ترجمہ یوں کیا: (اگر فوجی چھٹی  
ہائیں تو) ان کو روکا نہ جائے۔

جس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام شادی شدہ فوجیوں کے بارے میں لازمی چھٹی کا  
ضابطہ نہیں بنایا بلکہ صرف اتنا ضابطہ بنایا کہ جو شادی شدہ فوجی چار ماہ بعد چھٹی مانگے اس کو چھٹی دی جائے  
اور جو نہ مانگے اس کو نہ دی جائے۔ یہ مفہوم ایک تو پورے قصہ سے جڑا نہیں ہے اور دوسرے اصل مقصد  
یعنی عورتوں کی رعایت کے اعتبار سے بے فائدہ ہے۔

تنبیہ: بیہقی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے سال کے بعد چھٹی ہوتی تھی۔

عن عبد الله بن كعب بن مالك الانصاري ان جيشا من الانصار كانوا بارض فارس مع  
اميرهم وكان عمر رضي الله عنه يعقب الجيوش في كل عام فشغل عنهم عمر رضي الله عنه فلما امر الاجل فقل  
اهل ذلك النفر فاشد عليه و اوعدهم و هم اصحاب رسول الله ﷺ قالوا يا عمر انك  
شغلت عنا و تركت لنا الذي امر به النبي ﷺ من اعقاب بعض الغزاة بغضا.

حضرت کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبد اللہ سے روایت ہے کہ انصار پر مشتمل ایک لشکر  
سرزمین فارس میں اپنے امیر کے ساتھ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سال میں ایک دفعہ لشکروں کے متبادل  
بھیجتے تھے (تا کہ سال بھر جہاد میں رہنے والے اپنے گھروں کو چلے جائیں)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو

ان کا متبادل بھی بنا یاد نہیں رہا۔ جب سال پورا ہو گیا تو وہ حضرات (مدینہ منورہ) واپس چلے آئے۔ حضرت عمرؓ ان پر ناراض ہوئے اور دھمکی سنائی۔ وہ بھی رسول اللہ ﷺ کے صحابہ تھے۔ انہوں نے جواب دیا اے عمر آپ نے ہم سے غفلت برتی اور ہم مجاہدین کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے جو حکم دیا تھا اس کو آپ نے چھوڑا کہ مجاہدین کو ایک سال کے بعد چھٹی دی جائے اور ان کا متبادل لشکر بھیجا جائے۔

پھر عورتوں کی رعایت کرتے ہوئے حضرت عمرؓ نے شادی شدہ کے لئے مدت کو سال سے گھٹا کر چار ماہ کر دیا۔

### iii- مولانا سعید خان صاحبؒ کی بے قاعدگی

حضرت عمرؓ کے چار ماہ والے حکم کے بارے میں مولانا سعید خان صاحبؒ نے عجیب بات کہی۔ وہ لکھتے ہیں:

”حضرت عمرؓ نے حکم جاری کرنے کے لئے اپنے اہل مشورہ سے مشورہ نہیں لیا اور دوسرے مسائل کی طرح اس پر اجماع نہیں کرایا جیسے تراویح، تین طلاق ایک مجلس میں دینے پر کیا۔ دوسرے اپنی بیٹی سے رائے لی، اپنی بیوی اور دوسری عورتوں سے نہیں پوچھا اور اس میں حالات مختلف ہوتے ہیں۔ اور حضرت خضہؓ نے بھی اجتہادی رائے دی۔ تیسرے حضور ﷺ سے اس بارے میں کوئی صراحت کنا یہ کوئی چیز معلوم نہیں ہوتی اور نہ ہی حضرت ابو بکرؓ سے..... تو حکم مواقع کے اعتبار سے دیکھا جائے گا اور ضرورت کے اعتبار سے۔ اور اس زمانہ میں جب کہ کہیں اعتقادی ارتداد اور کہیں عملی ارتداد ہو رہا ہے اور امت کے رہنماؤں میں اختلاف اس قدر بڑھ چکا ہو کہ وہ اپنے مسائل میں خود پریشان ہو گئے ہوں تو اس وقت حکم کیا ہوگا؟ یہ دعوت کی بے سرت رکھنے والوں سے مشورہ کرنا پڑے گا تا کہ وہ ہر شخص کا حال دیکھ کر اور اس پر تنقید احوال کر کے ہر ایک کو جماعت میں بھیجیں اور الحمد للہ اب تک جتنے آدمی اللہ کی راہ میں، اور دہرا کے لئے گئے ہیں۔ چھ ماہ سال کے لئے گئے ہیں کوئی ایسا بات ان کے گھر والوں سے سنا نہیں ہوئی جو حضرت عمرؓ کے حکم کو مالدلائے۔ (مکتبہ حضرت مولانا سعید احمد خان ص 91، 92)

ہم کہتے ہیں کہ اصل حکم ہے، فتنی طور پر صرف نکر کرنے کے باوجود ہم مولاناؒ کی اس عبارت میں کئی قسم پا رہے ہیں۔



1- حضرت عمرؓ پر ہر مسئلہ میں مشورہ لینا کوئی ضروری تو نہیں تھا۔ بس اتنی بات کافی تھی کہ حضرت عمرؓ نے ایک حکم جاری کیا (جب کہ ہمیں یہ حکم نبوی ہے علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدين المہدیین اور یہاں تو ایک حکم عام تھا) جو یقیناً و بگھر صحابہ کے علم میں آیا لیکن کسی نے مخالفت نہیں کی۔

2- حضرت خضہؓ کی اس وقت حیثیت صرف عمرؓ کی بیٹی کی نہ تھی بلکہ ام المومنین کی تھی اور ان سے بڑھ کر اور کون ہوگا۔

3- اس مسئلہ کا تعلق عورتوں کی فطرت سے ہے اس لئے حضرت خضہؓ کی بات اجتہادی رائے نہ تھی بلکہ فطرت کی تحقیق تھی۔ اور اگر ان کو تحقیق نہ ہوتی تو وہ حجاب ہی نہ دیتیں۔ ان کا جواب دینا اور حضرت عمرؓ کا اس کو قبول کر کے حکم عام بنانا اور کسی صحابی کا اس پر انکار نہ کرنا اتنے دلائل کے باوجود مولانا سعید خان صاحب اس پر مطمئن نہیں اور چونکہ وہیں صدی میں دعوت کی بصیرت رکھنے والوں کے مشورہ پر موقوف کر دیا۔

4- یہ بات مولانا نے عجیب کی کہ یہ ماہِ رال کے لئے نیکنے والوں کے گھروں میں کوئی ایسی بات نہیں ہوئی جو حضرت عمرؓ کے حکم کو یاد دلانے۔ گویا مولانا کے نزدیک یہ بھی کوئی ضابطہ ہے کہ حادثہ ہونے کے بعد شریعت کا حکم یاد کرو پہلے سے یاد کر کے اس کے مطابق عمل کو اختیار نہ کرو۔

5- حضرت عثمانؓ نے بعد کی پہلی اذان شروع کرائی حالانکہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ بلکہ حضرت عمرؓ سے بھی اس کے بارے میں سرراحت یا کنایتہ کچھ منقول نہیں لیکن اس کے باوجود ان کا اٹل حجت ہے تو ایسے ہی حضرت عمرؓ کے اٹل کے حجت ہونے کے لئے یہ کوئی شرط ہے کہ رسول اللہ ﷺ یا حضرت ابو بکرؓ اس بارے میں کسی طرح سے منقول ہو۔

آٹھویں بحث

مولوی طارق جمیل اور غیر مقلدین

مولوی طارق جمیل صاحب کہتے ہیں۔

”غیر مقلدیت شروع سے پہلی اور ہی ہے۔ اصحاب فداپر (امام داؤد دکنی ہری) اس ان کو کون

کہے گا کہ یہ گمراہ فرستے میں سے ہیں اور فرق مائلہ میں سے ہیں یا شوالی کو کون کہے گا یا



ابن حزم کو..... اصل دین میں یہ لوگ اہلسنت والجماعت میں۔ فردوس میں دو ظاہر پر چلے تو کہیں کہیں دو دائیں بائیں ہو گئے.....“۔

ہم کہتے ہیں

کہ امت کے جو بہتر فرقوں میں بنے کا ذکر ہے تو ان میں ایک فرقہ تو وہ ہے جو پورا پورا اہلسنت والجماعت ہے عقائد میں بھی اور اصول میں بھی۔ باقی بہتر فرقے گمراہ ہیں اس معنی میں نہیں کہ وہ کافر ہیں بلکہ اس معنی میں گمراہ ہیں کہ انہوں نے اہلسنت کے اصول و عقائد کے راستے سے انحراف کیا ہے اور ان کو گمراہ یا بدعتی کہنا جائز ہے۔

## ۱۔ اعتقاد میں غیر مقلدین کا اہلسنت سے انحراف

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے مولانا گنگوہیؒ کی خدمت میں سوادی طائران جہیل صاحب کی کہی ہوئی جیسی بات پیش کر کے اپنا سوال قائم کیا۔ مولانا نے لکھا تھا۔

”..... مثلاً تھیدی فضی کے عوام میں شائع ہو رہی ہے اور وہ اس کو علما اور علما اس قدر ضروری سمجھتے ہیں کہ تارک تھید سے گو کہ اس کے تمام عقائد موافق کتاب و سنت کے ہوں اس قدر بغض و نفرت رکھتے ہیں کہ تارکین صلاۃ نساق و قیاد سے بھی نہیں رکھتے۔ اور خواص کا عمل و فتویٰ و جواب اس کا سو یہ ہے کہ خود ان کو علی سبیل القرض اتنا غلو نہ ہو..... اور مفاسد کا ترتیب یہ ہے کہ اکثر مقلدین عوام بلکہ خواص اس قدر جاہد ہوتے ہیں کہ اگر قول مجتہد کے خلاف کوئی آیت یا حدیث کان میں پڑتی ہے اس کے قلب میں اشراج و انہساب نہیں رہتا بلکہ اول استنکار قلب میں پیدا ہوتا ہے پھر تادیب کی فکر ہوتی ہے خواہ کتنی ہی بعید ہو اور خواہ دوسری دلیل قوی اس کے معارض ہو بلکہ مجتہد کی دلیل اس مسئلہ میں بجز قیاس کے کچھ بھی نہ ہو بلکہ خود اپنے دل میں اس تادیب کی وقت نہ ہو مگر نصرت مذہب کے لئے تادیب ضروری سمجھتے ہیں۔ دل یہ نہیں مانتا کہ قول مجتہد کو چھوڑ کر حدیث صحیح صریح پر عمل کر لیں۔ بعض مسن مختلف ہیں۔ مثلاً آئین بالجہر وغیرہ پر حرب و ضرب کی قیوت آ جاتی ہے۔ اور قرون ثلاثہ میں اس کا شدید بھی نہ ہوا تھا بلکہ کیف مالتق جس سے چار مسئلہ دریافت کر لیا۔ اگرچہ اس پر اجماع نقل کیا گیا ہے کہ مذاہب اربعہ کو چھوڑ کر مذہب خاص مستحدث کرنا جائز نہیں یعنی جو مسئلہ چاروں مذاہبوں کے خلاف ہو اس پر عمل جائز نہیں کہ حق دائر و منحصر ان چار میں ہے مگر اس پر بھی کوئی دلیل نہیں کیونکہ اصل ظاہر ہر زمانہ میں رہے..... دوسرے اگر اجماع ثابت بھی ہو جائے مگر تھیدی نہیں پر تو کبھی اجماع بھی

چیز سے خاموشی کا مطلب یہ تو نہیں ہوتا کہ شریعت اس کی منکر ہے۔

(علاوہ ازیں) مسئلہ میں کچھ تفصیل بھی (ہو سکتی) ہے یعنی عصمت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک عصمت مطلقہ جس کا مطلب یہ ہے کہ (زندگی کے سارے شعبوں) افعال و افعال و اقوال و علوم میں عصمت کو ثابت کیا جائے۔ بالفاظ دیگر یوں کہا جائے کہ جس منصب کے فرائض اس شخص کے سپرد ہوئے ہیں اس منصب سے جن امور کا تعلق ہے ان میں وہ معصوم ہوتا ہے یعنی غلطی ان خاص امور میں اس سے صادر نہیں ہو سکتی۔۔۔ (مرید 111 اشارہ 4)

3- مولوی صاحب کہتے ہیں کہ "حضرت ابو بکرؓ سے جو کمی بیشی ہوئی تھی بطور انسان"

سب سے پہلے تو ہم مولوی طارق جمیل صاحب سے یہ پوچھیں گے کہ حضرت ابو بکرؓ سے جو بشری خطا ہوئی وہ کیا تھی؟ اسی طرح اگر وہ ہمیں خلفائے اربعہ کی بشری خطاؤں کی فہرست فراہم کر دیں تو ہم بھی اپنی ایمانیات پر نظر ثانی پر مجبور ہو جائیں گے۔

پھر ہم کہتے ہیں کہ کمی بیشی میں دو احتمال ہیں:

1- اگر کمی بیشی سے مراد معصیت ہے تو یہ بڑی جسارت کی بات ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے افضل انسان کی طرف کسی شرعی یا حسی دلیل کے بغیر حق معصیت کی نسبت کی جائے کیونکہ یہ کہنا کہ وہ اودھا فیصد گناہگار ہیں سب و تنقید میں شمار ہوتا ہے جب کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

1- عن ابی سعید الخدری قال قال النبی ﷺ لا تسبوا اصحابی فلان احدکم ابغض منی احد ذہبا ما بلغ مد احدہم ولا نصفہ۔ (بخاری و مسلم)

حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا میرے صحابہؓ کو برا مت کہو ورنہ ان پر تنقید مت کرو ورنہ ان کے بارے میں کوئی نازیبا کلمہ منہ سے نہ نکالو کیونکہ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ان کا ایمان یقین اور دین کے لئے ان کی قربانیاں انتہائی درجے کی ہیں۔ انہی باتوں سے اعمال کی قیمت لگتی ہے اور بڑھتی ہے۔ اور تم ان کے درجے کے نہیں ہو) تو تمہارا کوئی شخص اگر احد پراڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو (قدر و قیمت کے اعتبار سے) دو ان کے کسی ایک کے کسی ایک مد (یعنی 3/4 کلو) یا (بیکار اس کے) نصف مد (یعنی 3/8 کلو) کے برابر کو بھی نہیں پہنچا سکا۔

ii- ایک دفعہ حضرت ابو بکرؓ نے کسی بات سے حضرت عمرؓ کو ناراض کر دیا۔ پھر حضرت ابو بکرؓ نے معافی بھی مانگی لیکن حضرت عمرؓ نہ مانے۔ حضرت ابو بکرؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے۔ بعد میں

نہیں ہوا۔ البتہ ایک واقعہ میں تلفیق کرنے کو منع لکھا ہے تاکہ اجتناب مرکب کے خلاف نہ ہو جائے۔  
 باوجود ان سب امور کے تقلید شخصی کا امتحان اور وجہ مشہور و معمول ہے سو اس کا بیج کس طرح مرفوع  
 ہوگا۔ دوسرا امر یہ کہ مسئلہ منظم لکھا کے اعتقادی ہونے کی کیا صورت ہے بادی افکار میں تو فرمی عملی  
 معلوم ہوتا ہے۔

مولانا گلگاہی رحمہ اللہ نے جواب میں لکھا۔

”اب تقلید کو سنو کہ مطلق تقلید ماسور ہے لفظ لہ تعالیٰ فاسئلوا اہل الذکر ان کشف  
 لا نعلمون۔ اور بوجہ دیگر نصوص۔ مگر بعد ایک مدت کے تقلید غیر شخصی کے سبب مفاسد پیدا ہوئے  
 کہ آدمی بسبب اس کے اپنے دین سے لاپرواہی ہو جاتا ہے اور اپنی ہوائے نفسانی کا اتباع اس  
 میں گویا لازم ہے اور طعن علماء مجتہدین و صحابہ کرام اس کا شرہ ہے..... لہذا تقلید غیر شخصی اس بد  
 نظمی کے سبب گویا منسوخ من اللہ تعالیٰ ہو گئی۔ پس ایسی حالت میں تقلید شخصی گویا فرض ہو گئی اس  
 واسطے کہ تقلید ماسور بہ کی دونوں ہیں شخصی و غیر شخصی اور تقلید بمنزلہ جنس ہے اور مطلق کا وجود خارج  
 میں بدون اپنے کسی فرد کے محال ہے۔

پس جب غیر شخصی حرام ہوئی بوجہ لزوم مناسبت اب شخصی معین ماسور بہ ہو گئی اور جو چیز کہ خدا تعالیٰ  
 کی طرف سے فرض ہو اگر اس میں کچھ مفاسد پیدا ہوں اور اس کا حصول اس ایک فرد کے بغیر ناممکن ہو  
 تو وہ فرد حرام نہ ہوگا بلکہ ازالہ مفاسد کا اس سے واجب ہوگا اور اگر کسی ماسور بہ کی ایک نوع میں نقصان  
 ہو اور دوسری نوع سالم اس نقصان سے ہو تو وہی فرد مصلحت ماسور بہ بن جاتا ہے اور اس کے عوارض  
 میں اگر کوئی نقصان ہو تو اس نقصان کا ترک کرنا لازم ہوگا نہ اس فرد کا۔ یہ حال وجہ تقلید شخصی کا  
 ہے۔ اسی واسطے تقلید غیر شخصی کو فقہاء نے کتابوں میں منع لکھا ہے۔

مگر جو عالم غیر شخصی کے سبب جہلا ان مفاسد مذکورہ کا نہ ہو اور نہ اس کے سبب سے عوام میں  
 یقین ہو اس کو تقلید غیر شخصی اب بھی جائز ہوگی۔“

(از ناقل۔ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جو پختہ عالم ہو اور تقلید غیر شخصی کرتا ہو مگر اس طرح  
 سے کہ تقلید غیر شخصی کے سبب سے پائے جانے والے مفاسد سے بالکل خالی ہو کہ نہ دین سے لاپرواہی  
 ہو اور نہ اپنی ہوائے نفسانی کا اتباع کرتا ہو اور نہ ہی علماء مجتہدین پر طعن کرتا ہو اور دوسرے اس  
 طرح سے کہ اس کی وجہ سے عوام میں یقین اور تشویش و انتشار بھی نہ ہوتا ہو جو کہ اپنے مسائل کی تبلیغ

سے ہوتا ہے۔ علامہ شوکانی نے کہیں بھی اپنے مذہب کی تبلیغ و تحریک نہیں کی۔ کسی کے پوچھنے پر مسئلہ بتانا اور بات ہے اور لوگوں کو اس طرح تبلیغ کرنا کہ تم سنت کے خلاف کر رہے ہو جیسے میں کہتا ہوں اس طرح کرو تب سنت پر عمل ہو گا یا کہنا کہ الحمد للہ بن جاؤ یہ اور چیز ہے۔ مولانا داؤد غزنوی میں بھی انصاف ملتا ہے لیکن غیر مقلدین علماء کی اکثریت ایسی نہیں ہے اور اب سے نہیں شروع سے ہی ایسی ہے۔

”اس مسئلے کے باب مقدمہ میں سے ہونے کا سبب دریافت فرمایا ہے سو فرمایا کہ جو امور مستحدث اور محدث ہیں ان سب کو ناجائز اور موجب ظلمت عقیدہ کرنا واجب ہے۔ پس یہ اعتقاد کلیات میں داخل ہے اگرچہ عمل ان کا کلیات سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کتب کلام میں جواز سخ خف و جواز اقتداء فاسق و جواز صلوة علی الفاسق بھی لکھتے ہیں کیونکہ اگرچہ یہ اعمال میں مکر اعتقاد جواز اعتقادات میں داخل ہے۔

## 2- اصول میں اہلسنت سے انحراف

یہ مسلمانوں کا طے شدہ ضابطہ ہے اور اس پر خیر القرون سے تعامل چلا آ رہا ہے کہ مسلمانوں کے سب فقہی مذاہب قرآن و حدیث پر مبنی ہیں اور اللہ کے ہاں سب مقبول ہیں۔ اور کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ دوسرے کو ایک فقہی مذہب چھوڑ کر اپنے مذہب کی تبلیغ کرے مثلاً حنفی کسی شافعی کو حنفی بننے کی تبلیغ کرے اور شافعی کسی حنبلی کو شافعی بننے کی دعوت دے۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ نقل کرتے ہیں۔

لما حجاج المنصور قال لعمالک قد عزمت ان آمر بکتبک هذه التي صنفها  
فتمسح ثم ابنت فی کل مصر من امصار المسلمین منها نسخة و آمرهم بان يعملوا بها  
فيها ولا تعدوه ائى غيره فقال يا امير المؤمنين لا تفعل هذا لان الناس قد سبقتهم  
اليهم افاضل و سمعوا احاديث و رووا روایات و اخذ کل قوم بما سبق اليهم و اتوا به  
من اختلاف الناس فلدع الناس و ما اختار اهل کل بلد منهم لا نفسهم۔

(حجة الله البالغة ص 145 ج ۶)

جب عباسی ظلیف منصور حج پر گیا تو اس نے امام مالک سے کہا کہ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ جو کتابیں آپ نے تصنیف کی ہیں ان کے کئی نسخے کر دے کہ مسلمانوں کے ہر شہر میں ان کا ایک

نسخہ بھیج دوں اور سب لوگوں کو حکم دوں کہ وہ صرف اس پر عمل کریں اور دوسروں کو چھوڑ دیں۔  
 امام مالکؒ نے جواب میں فرمایا اے امیر المومنین ایسا نہ کیجئے کیونکہ مختلف علاقوں کے  
 لوگوں کو صحابہ کے اقوال پہنچ چکے ہیں اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں سن رکھی ہیں  
 اور ان کو روایتیں ملی ہیں اور اس وجہ سے ہر علاقہ کے لوگوں نے اپنے تک پہنچی ہوئی  
 حدیثوں پر عمل کو اختیار کیا ہے تو آپ لوگوں کو اور جو عمل انہوں نے اپنے لئے اختیار کیا  
 یونہی چھوڑ دیجئے۔

لیکن غیر مقلدین اس اصول اور ضابطہ کی کھلی خلاف درزی کرتے ہیں اور کرتے رہے ہیں اور اس  
 پر فخر کرتے ہیں کہ انہوں نے اتنے اہل حدیث بنالئے ہیں۔

حضرت عمرؓ کو بھی اندامت ہوئی اور وہ بھی ان کو ڈھونڈتے ہوئے مجلس نبوی میں پہنچ گئے۔ وہاں حضرت عمرؓ نے واقعہ سنا شروع کیا۔

لجعل وجه رسول ﷺ يشفق ابوبكر فاجتأ علي ركنيه لقال يا رسول الله والله انا كنت اظلم ... فقال رسول الله ﷺ هل انتم ناركو لي صاحب لي هل انتم ناركو لي صاحب لي اني قلت يا ابيها الناس اني رسول الله اليكم جميعا فقلتم كذبته وقال ابوبكر صدقت. (بخاری)

اس پر رسول اللہ ﷺ (تختِ عصہ ہوئے اور آپ) کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا یہاں تک کہ ابوبکرؓ کو اندیشہ ہوا اور وہ اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ﷺ خدا کی قسم زیادتی میں نے ہی کی تھی۔ تاہم رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم میری خاطر میرے دوست کو نہیں چھوڑ سکتے؟ کیا تم میری خاطر میرے دوست کو نہیں چھوڑ سکتے؟ (اس وقت کو یاد کرو جب شروع میں) میں نے کہا تھا اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں تو (شروع میں) تم سب نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو اور (یہ صرف) ابوبکر (تھے جنہوں) نے کہا کہ آپ سچ کہتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ جو حضرت عمرؓ کو بھی حضرت ابوبکرؓ کی بچی شکایت کرنے کا موقع نہیں دے رہے۔  
مواہی طارق جمیل صاحب اپنی نادانی سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ کو آوصافِ کذابہ قرار دینے پر ضرر ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۱۱۔ اور اگر کمی بیشی سے مراد اجتہاد کی غلطی و غلط ہے تو اول تو یہ کوئی عیب کی بات ہی نہیں ہے۔ دوسرے خلفائے راشدین اور خصوصاً حضرت ابوبکر و عمرؓ کے اجتہاد کو شارع کی نظر میں خصوصاً اہمیت حاصل ہے۔  
۱۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

عليكم بسنتي و سنته الخلفاء الراشدين المهديين. (احمد)

اذا لم يكذبوا ويري سنتك وراشدين خلفائے راشدین بن مہدیشیں کی سنت کو۔

۱۰۔ عن حذيفة قال قال رسول الله ﷺ اني لا ادري ما بئساني فيكم فانظروا ما بالدين من

بعدى ابى بكر و عمر. (ترمذی و احمد)

حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نہیں جانتا کہ میں تم میں (میں کی) حالت ہے۔

۱۱۔ (تو) تم میرے بعد جو دو ابوبکر و عمرؓ کے ان کو اقتدار کرنا۔

تجلیہ: اجتہاد کی غلطی کی اگر اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے نشاندہی کر دی جائے تو صرف اسی وقت وہ یقینی طور پر خطا ہوگی جیسا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ

تقتلک الفتنۃ الباغیۃ.

تمہیں باغی جماعت قتل کرے گی۔

شریعت کی نظر میں باغی اس کو کہتے ہیں جو امام حق کے خلاف باحق خروج کرے مگر چاروں کی بنیاد اس کے اجتہاد پر ہو۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد کی بنیاد پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا اور حدیث نے بتایا کہ وہ امام حق کے خلاف باحق تھا۔ لہذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کو خطا میں ہمیں معلوم ہو گیا۔ خلفائے اربعہ کے کسی اجتہاد کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایسی کئی تصریح تو کیا اثر ارادہ بھی نہیں ملتا کہ ان کا اجتہاد اللہ اور اس کے رسول کی نظر میں پسندیدہ نہیں تھا۔

4۔ مولوی طارق جمیل صاحب خلیفہ کی تعیین نہ ہونے کی ایک حکمت یہ بتاتے ہیں کہ تعیین کرنے سے کوئی انکار کرتا۔ انکار تو ہوتا تھا۔ یعنی یہ کہ رسول اللہ ﷺ کو معلوم تھا یا آپ کو تو یہ اندیشہ تھا کہ انکار تو ہوگا ہی۔ اور تعیین کے بعد انکار سخت ہلاکت کی چیز ہے۔ اس سے بچانے کے لئے آپ نے خلیفہ کی تعیین ہی نہیں کی اس کا مطلب یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو صحابہ سے یہ اطمینان نہیں تھا کہ میں تعیین کروں تو سب مان لیں گے۔ اسی لئے طارق جمیل صاحب کہتے ہیں "تعیین کے بعد فرض کرو یہ سارے ہی مان جاتے"۔ یعنی آپ رضی اللہ عنہ کو تو یہ اندیشہ تھا تو یہی تھا کہ سب نہ مانیں گے۔ اور سب کے ماننے کو صرف فرض ہی کیا جاسکتا ہے۔

دوسری بحث: دفاع صحابہ

مولوی طارق جمیل صاحب کہتے ہیں۔

”دوسری بات یہ ہے کہ ہم شیعوں کے رد میں صحابہ کو بھی موصوم بنانے کے پتہ میں پڑ جاتے ہیں ان کی خلافت کی تاویل کرنا شروع کر دیتے ہیں تو اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس پر ایک آیت کافی ہے۔ وکملوا وعدہ ذلہ الخسب“ تاویل نہ کرو مگر خطا ہوئی ہے۔ خطا کی تاویل کرنا تو کمزور راستہ ہے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ کتاب کبھی مولانا تقی عثمانی صاحب نے وہ تاویل میں پڑے۔ مگر کئی جگہ وہ تاویل بڑی کمزور ہے۔ تو یہ تاویل کا راستہ صحیح نہیں ہے۔ ان کی برائت ہمارے اہل ایمان کے لئے ہے وہ حتیٰ تھے معہ انہیں تھے انہیں انہیں تھے محفوظ بھی نہیں تھے۔ اللہ نے ان کو مداف کر دیا۔ تو صحابہ دفاع یوں ٹھیک نہیں ہے کہ ان

کی غلطیوں کی تاویل شروع کر دو۔“

ایک دوسری جگہ مولوی طارق جمیل صاحب کہتے ہیں۔

”میں یہ بات ذہن میں رکھوں کہ غلطی پرستے اور معاویہ جیسا اس کے مقابلے میں خطا پرستے..... خطا میں چونکہ بددیانتی نہیں تھی۔ وہ اپنے آپ کو صحیح سمجھ کے کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی خطا مغفور ہے۔ اب ہمیں تاویل کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ (کسی طالب علم نے سوال کیا کہ یہ اجتہادی غلطی تھی تو اس پر مولانا کا جواب تھا) اورے یہ تو سب ہمارے سامنے لائے ہیں خطا تھی۔“

ہم کہتے ہیں:

1- عجیب بات ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطا کی تو مولوی طارق جمیل صاحب خود تاویل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس میں بددیانتی نہیں تھی بلکہ وہ اپنے آپ کو صحیح سمجھ کے کر رہے تھے جس کا مطلب ہے کہ وہ اپنے اجتہاد سے ایسا کر رہے تھے کسی نفسانی خواہش یا غلب دنیا کی خاطر نہیں کر رہے تھے۔ ایسے میں جو خطا ہو وہ خطائے اجتہادی ہی تو کہلاتی ہے۔ لیکن مولوی طارق جمیل صاحب کو کچھ پتہ ہی نہیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور کیا کہہ رہے ہیں اور ایک طالب علم کے یہ کہنے پر کہ یہ اجتہادی غلطی تھی ان کو چاہئے تھا کہ کہتے کہ ہاں ٹھیک ہے اور اہلسنت کا موقف بھی یہی ہے اور اسی وجہ سے ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ ان پر عیب لگائیں۔ اس کے بجائے انہوں نے اجتہادی کی قید کو ہمارے سامنے لائے کہہ کر اس کی اہمیت ہی ختم کر دی اور ایک دوسرے طالب علم کے یہ کہنے پر کہ اس کا مطلب ہے کہ صحابہ دنیا کے طلبکار تھے یہ آیت پڑھ دی کہ منکم من یرید الدنیا اور اس طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطا کو بددیانتی اور غلب دنیا کے ساتھ ملا دیا۔

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

2- دوسری اہم بات یہ ہے کہ تاریخ میں باحدیث کی کتابوں میں کچھ کبار یا نسبتاً زیادہ اہمیت والے صحابہ کے بارے میں بعض باتیں تحمل یا سہم انداز میں ملتی ہیں جو جملہ باتوں پر امتزاج کا باعث بنتی ہیں کہ وہ باتیں انہوں نے بددیانتی یا حماقت یا غلب دنیا میں کہی ہیں۔ خاص طور سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایسی روایات کی وجہ سے شیعوں نے اور صوفیوں کی صاحبزادوں نے بہت سے اعتراضات کئے ہیں۔ اب مولوی طارق جمیل صاحب تو یہ بات دہیچتے ہیں کہ ان اعتراضوں کا جواب دینے کی ضرورت ہی نہیں جس تسلیم کر لو کہ ان صحابہ نے غلطیاں کی ہیں البتہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرمایا ہے اور ان سے آخرت میں



اچھا وعدہ فرمایا ہے۔ مولوی صاحب کی یہ روش انتہائی غیر معقول ہے۔ صحابہ پر کوئی بھی انگلی اٹھا دے۔ طارق جیل صاحب کی ہدایت ہے کہ بس صحابہ کی غلطی ان لوگوں حقیقت میں وہ غلطی ہو یا نہ ہو۔ دیگر علماء کی قرون اولیٰ سے یہ روش رہی ہے کہ جو صحابہ کی واقعی غلطی نہیں تھی اس میں ان کا دفاع کرتے تھے اور روایت کے ظاہری مطلب سے ہٹا کر صحیح بات بتانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے اسی عمل کو تاویل کرنا کہتے ہیں اور اسی کو دفاع صحابہ بھی کہتے ہیں۔ دیکھئے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دفاع کرتے ہیں۔

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَوْحِبٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ مِصْرَ يُرِيدُ خَبْرَ النَّبِيِّ فَرَأَى قَوْمًا يَجْلِسُونَ فَقَالَ هَؤُلَاءِ الْقَوْمُ قَالُوا هَؤُلَاءِ قُرَيْشٌ قَالَ لِمَنِ الشَّبَحُ فِيهِمْ قَالُوا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ قَالَ بَايَ عُمَرَ إِنِّي سَأَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ فَنَجَدْتَنِي هَلْ تَعْلَمُ أَنَّ عُثْمَانَ لَمْ يَوْمِ أَحَدٌ قَالَ نَعَمْ قَالَ هَلْ تَعْلَمُ أَنَّهُ تَعَيَّبَ عَنْ بَيْعَةِ الرِّضْوَانِ فَلَمْ يَشْهَدْهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ هَلْ تَعْلَمُ أَنَّهُ تَعْلَمُ أَنَّهُ تَعَيَّبَ عَنْ بَيْعَةِ الرِّضْوَانِ فَلَمْ يَشْهَدْهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ نَعَمْ قَالَ اللَّهُ أَكْثَرُ قَالَ ابْنُ عُمَرَ تَعَالَى أَبَيْنُ لَكَ أَمَّا فِرَازَةُ يَوْمَ أُحُدٍ فَأَشْهَدُ أَنَّ اللَّهَ عَفَا عَنْهُ وَأَمَّا نَفِئَةُ عَنْ نَذْرِ فَإِنَّهُ كَانَ نَحْنَهُ وَفِيهِ بَيْتٌ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَكَانَتْ مَرْبُوعَةً فَلَمَّا لَمْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنْ لَكَ أَجْرٌ وَجَلَّ بِمَنْ شِئْتَ بَدَلُوا وَنَهْنَهُ وَأَمَّا نَفِئَةُ عَنْ بَيْعَةِ الرِّضْوَانِ فَلَمَّا كَانَ أَحَدٌ أَغْرَضَ يَنْظُرُ مِنْكُمْ مِنْ عُثْمَانَ لَيْفَهُ فَبَيْعَتْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عُثْمَانَ وَكَانَتْ بَيْعَةُ الرِّضْوَانِ بَعْدَ مَا ذُخِبَ عُثْمَانُ إِلَى مِنْكُةٍ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِسَبِّهِ الْيَسَنِيُّ هَذِهِ بَيْعَةُ عُثْمَانَ فَضَرَبَ بِهَا عَلَى بَدَنِهِ وَقَالَ هَذِهِ لِعُثْمَانَ ثُمَّ قَالَ ابْنُ عُمَرَ إِذْ ذُخِبَ بِهَا الْآنَ فَنَعَمْ. (بخاری)

حضرت عثمان بن عبد اللہ بن مویب کہتے ہیں اہل مصر کا ایک شخص حج بیت اللہ کے ارادہ سے (مکہ مکرمہ) آیا۔ یہاں اس نے (ایک جگہ) کچھ لوگوں کو (اکٹھے) بیٹھ دیکھا تو پوچھا یہ کون لوگ ہیں۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ خانہ ان قریش کے (بڑے) لوگ ہیں۔ اس نے پوچھا ان میں بڑے عالم کون ہیں۔ لوگوں نے بتایا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ (وہ شخص حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے آیا اور) اس نے کہا اے ابن عمر مجھے آپ سے ایک بات پوچھنی ہے تو آپ مجھے جواب دیجئے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ جنگ احد کے موقع پر (جب مشرکین کی فوج نے پہاڑی کے پیچھے سے پشت کر حملہ کیا تھا تو) عثمان فرار ہو گئے تھے۔ انہوں نے جواب دیا ہاں (ایسا ہی تھا)۔ اس شخص نے پوچھا کیا آپ جانتے ہیں کہ عثمان جنگ بدر سے غائب رہے تھے اور اس میں حاضر نہ ہوئے تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں (ایسا ہی تھا)۔ اس شخص نے

پوچھا کیا آپ جانتے ہیں کہ عثمان بیعت رضوان سے بھی غائب رہے تھے اور اس میں شریک نہ تھے۔ انہوں نے جواب دیا ہاں (ایسا ہی تھا)۔ اس شخص نے (یہ سمجھا کہ ہم جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف الزام لگاتے ہیں ان کی تائید و تصدیق حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی کر دی ہے اور اس سے اب لوگ لا جواب ہو جائیں گے اور یہ ہمیں بڑی کامیابی حاصل ہوگی ہے اس لئے اس نے خوشی سے) اللہ اکبر کہا۔ اب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ذرا میرے قریب آ جاؤ (اور اپنی ان باتوں کی تفصیل بھی سن لو جو) میں تمہارے لئے بیان کرتا ہوں۔ رہا عثمان کا جنگ احد سے فرار تو (اس وقت اچانک حملہ سے بہت سے صحابہ کے پاؤں اکڑ گئے تھے اگرچہ بعد میں وہ سنبھل گئے اور پلٹ آئے لیکن اصل بات کی) میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما چکے ہیں (اور یہ معافی قرآن پاک کے اندر موجود ہے تو معافی کے بعد عیب لگانا کیسے جائز ہے؟)

وہی جنگ بدر سے ان کی غیر حاضری تو بات یہ ہے کہ ان کے نکاح میں رسول اللہ ﷺ کی بیٹی کو بیعت تھیں جو اس وقت بیمار تھیں تو رسول اللہ ﷺ نے (عثمان کو ان کی دیکھ بھال کرنے کو کہا تھا اور ان کو جو یہ خیال ہوا کہ میں جہاد میں شرکت سے محروم رہوں گا تو آپ ﷺ نے خود) ان سے فرمایا کہ تمہیں جنگ بدر میں شریک ہونے والے کا ثواب ملے گا اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ آپ ﷺ نے) ان کو مال غنیمت میں سے (براہر کا) حصہ بھی دیا۔

وہی بیعت رضوان میں ان کی عدم شرکت تو اگر (رشتہ داری کے اعتبار سے) مکہ کرمہ میں کوئی دوسرا صحابی ان سے زیادہ عزت دار ہوتا تو آپ ﷺ ان کو (شریکین سے گفتگو کے لئے مکہ) بھیجتے۔ (چونکہ ایسا کوئی نہ تھا تو رسول اللہ ﷺ نے عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ کرمہ بھیجا اور بیعت رضوان تو ان کے مکہ جانے کے بعد ہوئی) جس کی وجہ یہ ہوئی کہ مسلمانوں میں یہ خبر پھیل گئی کہ مشرکین نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا ہے اور مسلمانوں سے لڑنے کے لئے تیار ہو گئے ہیں) تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے واسطے ہاتھ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ یہ عثمان کا ہاتھ ہے اور وہ اپنے ہاتھیں ہاتھ پر رکھا اور فرمایا یہ (بیعت) عثمان کے لئے ہے۔ پھر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اوب یہ ساری باتیں اپنے ساتھ لے جاؤ (اور یہ بھی ساتھ میں بناؤ)۔

اب کسی کی تاویل اور دفاع کو کمزور دیکھ کر مولوی طاہر جمیل ص حب کو چاہتے تھا کہ وہ زیادہ مؤثر دفاع کی سوچتے لیکن انہوں نے تو سبب غیرتی کا سبق دینا شروع کر دیا کہ دشمنوں اور دوست نما دشمنوں کی تنقید دینا اور اعتراضوں کو سنو اور تسلیم کر لو اس کی کوئی تاویل اور دفاع نہ کرو۔ منصف صاحبین نے تو ہمیں اس سے بہت مختلف سبق سکھایا ہے۔